جامعہ مدنیہ لاہور کا علمی، ادبی اور اصلاحی مجلہ

انوار مدینہ

—— : نگرانِ اعلیٰ : ——

حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہٗ مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ، لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

لاہور

قیمت : ۵۰ پیسے

فون : ۶۲۹۳۲

مدیرِ اعزازی : پروفیسر یوسف سلیم چشتی

مدیرِ معاون : حبیب الرحمٰن اشرف

جلد : ۱ | محرم، صفر سنہ ۱۳۹۱ھ ○ مارچ، اپریل سنہ ۱۹۷۱ء | شمارہ ۱۰، ۱۱

مرتب

حبیب الرحمٰن اشرف

فاضل جامعہ مدنیہ، لاہور

بدلِ اشتراک :	سالانہ ۵ روپے	طلبہ کے لیے ۴ روپے	ششماہی ۳ روپے

پتہ : جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ لاہور، پاکستان

اِس شمارے میں

انقلاب انقلاب

صدر محترم آغا محمد یحییٰ خاں چیف ایڈمنسٹریٹر مارشل لا، نے اپنے فیصلہ کن حکم سے شیخ مجیب الرحمٰن کی انقلابی تحریک کو جس کی بنیاد علیحدگی پسندی پر تھی ختم کر کے رکھ دیا۔ خدا انہیں کم سے کم کوشش میں زیادہ سے زیادہ کامیابی بخشے۔ تاکہ ملک کی یکجہتی مجروحِ اسلحہ ہونے سے بچی رہے، ان کے اس اقدام کی تائید و تحسین بھارت کے سوا دنیا کے تمام بڑے بڑے ممالک نے کی ہے۔

مجیب کی کامیابی نے ان کے نظریات کو بھی مقبول عام بنا دیا اور یا وہ اس لیے کامیاب ہوئے کہ وہاں کے باشندوں کی خواہش کی انہوں نے ترجمانی کی تھی۔ بہر حال ان کے نظریات میں علیحدگی پسندی تھی۔ ایسے رجحانات والے شخص کو الیکشن میں کامیابی حاصل ہو جانے کے بعد میدان سے ہٹانا ایک بہت ہی مشکل کام تھا۔

ہم صدر محترم کو اس کامیابی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

اس موقعہ پر ہمارے احوالِ ماضی پر نظر لے جانی بہت ہی مفید رہے گی کہ وہ کیا کمزوریاں تھیں جن سے مجیب صاحب اور اُن کے ساتھیوں نے فائدہ اٹھایا۔

الف : ایک وقت وہ تھا کہ مسلمانوں میں ایک مستقل اسلامی مملکت کے تصوّر کی روح پھونکی گئی اور مملکتِ خداداد پاکستان معرضِ وجود میں آئی۔

ب : پھر اس اسلامی سلطنت میں حکمران سب مسلمان رہے۔ اور نظام انگریزی رائج رہا۔ دستور العمل وہی تعزیراتِ ہند تھیں اور ان میں عوام کی مشکلات کا کوئی حل نہ تھا۔

ج : البتہ حکومت عوامی تھی، عوام کی امنگوں کے مطابق وزراءِ اعظم وغیرہ آتے جاتے رہے۔ ان میں سہروردی، محمد علی بوگرہ، ناظم الدین مرحوم وغیرہ سب ہی آتے جاتے رہے۔ آئے دن وزارتی رد و بدل سے ملک کے بیرونی وقار پر تو اثر پڑا لیکن اس دور میں مشرقی پاکستان کے باشندوں میں علیحدگی پسندی کا رجحان نہیں تھا۔

د : اس کے بعد دُوسرا دور دوسرے طرز کی حکومت کا آیا۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں مسند آرائے صدارت ہُوئے، ان کا دور صدارت بہت طویل دور تھا اور وُہ سب سے زیادہ با اختیار حاکم تھے۔ ان کے زمانہ میں ملک میں کچھ منصوبے برُوئے کار آئے۔ بہت سے منصوبے جو تشنۂ تکمیل تھے، تکمیل پذیر ہُوئے۔ بیرونی ممالک میں پاکستان کا کھویا ہُوا وقار بہت حد تک بحال ہُوا۔ پاکستان نے ایک بڑی دفاعی جنگ بھی جیتی۔ مگر عوام کے معاشی مسائل کا حل نہ سوچا گیا۔ ان کے لیے یا مارشل لاء رہا یا کچھ رد و بدل کے ساتھ وہی انگریزی قانون۔

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان ایک نہایت زیرک انسان تھے۔ اگرچہ ان کی زندگی فوجی طرز پہ گذری مگر وُہ ملکی سیاست اچھی طرح سمجھتے تھے۔ لیکن چند ٹھوکریں ایسی کھائیں جو بعد میں ہر آنے والے کے لیے درس عبرت ہیں ان کا خاکہ یہ ہے کہ

ا۔ ان کی بہت بڑی کوشش یہ رہی کہ اسلام کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کیا جائے۔ مسند صدارت پر آتے ہی انہوں نے مذہب میں مداخلت کی بے کھٹکے عائلی قوانین بنا دیئے۔ علماءِ کرام نے ان قوانین میں ترمیم و اصلاح کی جو سعی بھی کی رائیگاں گئی۔ ایوب خاں کی مسلسل یہی کوشش رہی۔ حتیٰ کہ اپنے آخری دور میں اس کے لیے

انہوں نے تمام ممالک اسلامیہ سے سرکاری علماء بھی بُلائے تاکہ سود وغیرہ کے مسائل پر حالاتِ حاضرہ میں گفتگو کے بعد انہیں جائز کرا دیا جائے۔ ان کے اس منشاء کو پورا کرنے کے لیے ڈاکٹر فضل الرحمٰن انچارج بنائے گئے۔ اس میں خواجہ شہاب الدین صاحب وغیرہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ لیکن جب پاکستانی علماء کرام سے بیرونی علماء کی گفتگو ہوئی تو انہوں نے بفضلہ تعالیٰ ان مسائل میں غلط راستہ سے توبہ کر لی۔ اس طرح یہ بہت ہی بڑا فتنہ ملک میں آتے آتے رہ گیا۔

اخبارات میں ان آنے والے علماء کے حالات و تصاویر صرف آنے کے وقت شائع ہوئیں۔ اس کے بعد کی تمام کارروائی منظر عام پر قطعاً نہیں لائی گئی۔

۲۔ انہوں نے اپنے ہاتھ میں پچانوے فیصد اختیارات رکھ کر عوام کے جذبات کو اس قدر دبایا کہ ہر طبقہ عاجز آگیا۔ مشرقی پاکستان والے مارشل لاء کے بعد ان کے اس با اختیار (آمرانہ) تسلط سے اس قدر برگشتہ تھے کہ انہوں نے اس غلبہ میں بھی محترمہ فاطمہ جناح کو لانے کی موثر کوشش کی۔ اور اگر مغربی پاکستان میں ملک امیر محمد خاں صاحب مرحوم جیسا زبردست گورنر نہ ہوتا تو ایوب خاں ضرور ہار جاتے اور آمریت کا جوا عوام کے گلے سے اُتر جاتا۔

اس الیکشن کے بعد مشرقی پاکستان والوں نے دُوسری راہ اختیار کی۔ وہ تنگ آمد بجنگ آمد" پر تو عمل نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ علیحدگی پسند عناصر کی سازش میں شریک ہو گئے۔

ان عناصر نے عوام کو یہ تصور دیا کہ مغربی پاکستان کے لوگ ہم پر جبراً حکمرانی کر رہے ہیں ورنہ عوام کے نمائندے جو صحیح آزادانہ رائے کے ذریعہ منتخب ہوئے ہوں وزارت عظمیٰ وغیرہ پر آتے۔ جیسے سہروردی وغیرہ۔

ممبرانِ اسمبلی یا وُزراء کابینہ جو مشرقی پاکستان سے تعلق رکھتے تھے

ایوب خاں کے تسلط سے دل ہی دل میں تنگ تھے کہ ایوب خاں کے ہی پاس سب اختیارات تھے۔ باقی سب صرف گویا ہاتھی کے نمائشی دانت تھے۔ اس پروپیگنڈے پر ان کا بھی قلبی رجحان علیحدگی پسندی کی طرف ہو جانا قدرتی بات تھی۔

اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کسی کے ملازم دن بھر محنت مزدوری کر کے شام کو اپنے آقاء کو ساری کمائی دے دیں اور آقاء یہ ظلم کرے کہ ان کو صرف فی روپیہ پانچ پیسے دے کر باقی کمائی پچانوے فی صد اپنے پاس رکھ لے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں تمام ملازمین متحد ہو کر اس تاک میں رہیں گے کہ کس وقت یہ شخص غافل ہو اور ہم اس کی جیب خالی کریں۔ اسی طرح ایوب خاں کو جنہوں نے صدر بنایا وہ خود کو محروم پاتے رہے۔

۳۔ مغربی اور مشرقی پاکستان کے باشندوں کے افکار میں یہ فرق بھی تھا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ ہمارا صدر ہم میں ہی سے ہے۔ اور یہیں کا باشندہ ہم پر حکومت کر رہا ہے۔

مشرقی پاکستان والے زبان و تہذیب کے فرق کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ ہم پر دوسرے علاقہ والا طبقہ حکومت کر رہا ہے۔

ان دونوں بازوؤں کو صرف اسلام ہی جوڑ سکتا تھا مگر اسلام کا تو نام ہی نام تھا۔ یہ نام ہی کی برکت تھی کہ اتنے عرصے صرف بحری اور ہوائی راستوں والے دو علاقے آپس میں جڑے رہے۔ مگر جب نظام اسلامی لانے کے بجائے اسلام ہی میں اکبر کے دینِ الٰہی کی طرح کتر بیونت کی جانے لگے اور اپنے منشا کا نام اسلام رکھ لیا جائے۔ تو اس طرح کب تک دھوکہ دیا جا سکتا ہے اور پھر ان کو ایک جان رکھنے والی چیز کیا ہو سکتی تھی۔

۴۔ ایوب خاں نے فرقِ باطلہ کی سرپرستی کی۔ انہیں ان کے اہل حق و اہل

باطل ہونے سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وُہ خوُد ہی مذہب سے ناآشنا تھے انہیں اطاعتِ کاملہ کا ایسا جوہر جو ان کے احکام کے سامنے خدا و رسول کی اطاعت کی پروا نہ کرے۔ اہل باطل ہی میں مل سکتا تھا۔ اس لیئے وہی خود غرض غلط کار لوگ ان کے مقرب و مشیر و معتمد بن گئے۔ انہوں نے ایوب خاں کو مطمئن بھی رکھا۔ اور بے لوث صحیح مشورے سے محروم بھی۔ وُہ شاید ان کے وسیع اختیارات کو ہی طاقت سمجھتے رہے اور خدا کی قدرت سے غافل رہے۔

فیلڈ مارشل ایوب خاں کے عروج و زوال سے یہ سبق ملتا ہے کہ انہوں نے دین میں مداخلت کر کے ہر باعمل مسلمان کو بدظن کر لیا۔ اپنے ہاتھ میں سب کے اختیارات لے کر ہر سیاسی ذہن رکھنے والے کو بد دل کر دیا۔ اور غریب طبقہ کے مسائل حل نہ کر کے ملک کے عوام کو خواص کے ہمدوش ہو کر اظہار نفرت و احتجاج پر مجبور کر دیا۔ اسلامی نظام نہ لا کر مذہبی اخوت کی روح نکال دی۔ جس سے علاقائی تعصبات کے مردہ شیطان میں جان پڑ گئی۔ اس لیے ان کے خلاف علماء سے لیکر ڈاکٹروں اور وکیلوں تک سب نے ہی جلوس نکالے۔ مظاہرے کیے اور یکلخت ان کا عروج زوال میں تبدیل ہو کر رہ گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی علاقائی عصبیت مشرقی پاکستان میں اُبھر آئی۔

اگر ان کے آخری دور میں بھی اسلامی نظام حیات مکمل طور پر آ جاتا تو وہی ایک ایسا جامع نظام ہوتا کہ ان کی جان بلب صدارت کو ہمیشہ کی زندگی عطا کر دیتا مگر افسوس وُہ نہ سمجھ سکے کہ مرض کیا ہے۔ اور علاج کیا؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظام ہی وُہ نظام ہے جس میں آزادی رائے عزت نفس و حیات ضمیر سب قائم رہتے ہیں۔ خلیفۂ وقت سے ایک دیہاتی بھی سوال کر سکتا ہے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟

اسلام ہی طبقاتی ، لسانی ، نسلی ، علاقائی تعصبات کو مٹا سکتا ہے ، آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے

لا فضل لعربي على عجمي (الحدیث) یعنی کسی عربی کو کسی عجمی پر اور سفید آدمی کو سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں ، سوائے اس کے کہ دین اور تقوے میں کوئی زیادہ ہو۔"

اسلام کی یہ تربیت علاقائی تعصبات کے چنگل سے نکال کر حقیقی مساوات کی پناہ میں لے جاتی ہے۔

اسلام ہی مصیبتوں اور غربت کا صحیح علاج ہے۔ بشرطیکہ مکمل اسلامی نظام لایا جائے۔ یہ نہ ہو کہ غریب کو صبر و اجر کی تلقین کر کے خود مال جمع کرتے رہیں - اور دوسرے کی شدید ضرورت پر بھی ناک بھوں چڑھائیں۔

غرض ایوب خاں کے زوال اور آج کی تمام خرابیوں کا صحیح ترین فطری علاج صرف نظام اسلامی ہے۔ اور آج جب کہ ملک کے ایک بازو میں باقاعدہ سی بغاوت بھی ہو چکی ہے۔ ان کو پھر سے ایک کر دینے والی چیز صرف اخوت اسلامی ہی ہو سکتی ہے۔

واعتصموا بحبل الله (الآیۃ) یعنی" اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو"۔ (پ۴ رکوع ۲)

ورنہ ہمیں سوچنا پڑے گا کہ مارشل لا کے خاتمہ کے بعد اگر پھر حالات خراب ہوئے تو مشرقی پاکستان میں اب کی دفعہ غیر بنگالیوں کا کیا حشر ہو گا۔

ہو سکتا ہے کہ اس عظیم کام کی انجام دہی صدر محترم کو مشکل معلوم ہو۔ لیکن اگر ابتداءً وہ صرف اسلام کے شعبۂ عدلیہ کا اجراء ہی کر دیں تو اس سے اگلا ہر قدم ٹھیک ہوتا چلا جائے گا۔ جس کی آسان ترین صورت یہ ہے کہ ہر شہر

میں صرف ایک مجسٹریٹ اور ہر جج کے ذمہ کر دیا جائے کہ وہ مدعی کے منشار کے مطابق شرعی فیصلہ دیا کرے ۔ اور شرعی فیصلہ کے لیے اپنے ساتھ ایک عالم رکھ لیا کرے ۔ اس طرح چند ہی ماہ میں قانون شرعی کا ایک نمونہ سب کے سامنے آ جائیگا۔

رہا یہ مسئلہ کہ موجودہ اقتصادی مشکلات کا حل اسلامی آیئن کے مُطابق سامنے لایا جائے ۔ تو اس کے لیے پہلے ہی سے علماء نے نہایت محنت سے آیئن تیار کر رکھے ہیں ۔ آیئن سازی کے وقت وہ خود ہی سامنے آ جایئں گے ۔

ہم صدر محترم آغا محمد یحییٰ خاں سے یہ گذارش ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے اختیارات سے عدالت اسلامیہ قائم فرما کر پہلا قدم اٹھایئں ۔ اسلامی فیصلے دیکھ کر سب عوام کے رجحانات بدل جایئں گے کہ یہی فیصلے پاکستان کی وہ ٹھوس بنیاد ہیں ۔ جن پر آج تک عمارت نہیں اُٹھائی گئی ۔ اور ہر مسلمان ان کے لیے بیتاب ہے ۔

خداوند کریم نے جو طاقت ایوب خاں کو ایک طویل عرصہ دے رکھی وہ آج انہیں حاصل ہے ۔ جو کوتاہی ایوب خان نے کی تھی وہ اس کی تلافی کر سکتے ہیں ۔ اور پوری مملکت کے جذبات کا دھارا پھیر سکتے ہیں ۔ پھر چاہے تمام عمر صدر یحییٰ ہی صدر رہیں ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب سے اسلام کی خدمت لے ۔ آمین

معذرت = ہمیں افسوس ہے کہ رسالہ کی اشاعت میں اس بار پھر بہت زیادہ تاخیر ہو گئی جس کی وجہ سے حضراتِ قارئین کو انتظار کی زحمت گوارا کرنی پڑی ۔ اس پر ہم معذرت خواہ ہیں ۔ کافی لیٹ ہو جانے کی وجہ سے زیرِ نظر رسالہ ۲ ماہ کا یکجا شائع کیا جا رہا ہے ۔ ———— ادارہ

فتنوں کی سرکوبی قسط : ۵

اُولٰئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْن

"خلافت و ملوکیت" کے جواب میں!

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا السیّد محمد میاں صاحب ادام اللہ معالیہم

حضرت ولید بن عقبہ گورنر کوفہ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کوفہ سے واپس آئے تو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت ولید بن عقبہ کو یہاں کا گورنر بنا دیا۔

مختصر تعارف

مودودی صاحب نے حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں زور قلم صرف کیا ہے اور ان کی خدمات پر پردہ ڈالا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر آپ کا مختصر تعارف کرایا جائے۔

حضرت ولید رضی اللہ عنہ اگرچہ فتح مکہ سے پہلے ایمان سے مشرف نہیں ہوئے۔ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔ مگر یہ ان سعادت مندوں میں سے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع ہی سے ان کو خدمات اسلام کے لیے خاص طور پر منتخب فرما لیا تھا۔ چند ماہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ سنہ ۹ ھ میں آپ کو قبیلۂ بنی مصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لیے عامل بنا کر بھیج دیا۔

اس قبیلہ سے حضرت ولید کے خاندان کی پرانی عداوت چلی آرہی تھی۔ اس تقرر کے وقت تو حضرت ولید نے کوئی معذرت نہیں کی۔ اور روانہ ہو گئے۔ مگر دل میں خطرہ ضرور تھا کہ شاید مجھے

تنہا پاکر یہ لوگ اپنی عداوت نکالیں۔

اہل قبیلہ منتظر تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی صاحب آئیں گے۔ انہوں نے از خود صدقات وغیرہ جمع کر لیے تھے کہ آنے والے عامل کو زحمت نہ ہو۔ خود ہی پیش کردیں۔ اب ان کو علم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ ولیدؓ بن عقبہ آنے والے ہیں تو کچھ لوگ جمع ہوئے کہ آگے چل کر ان کا استقبال کریں۔ ولیدؓ بن عقبہ قبیلہ تک پہنچنے بھی نہیں پائے تھے کہ بقول راوی کسی شیطان نے ان سے کہہ دیا کہ وہ لوگ آپ کے قتل کی تیاری کر رہے ہیں۔

ولیدؓ بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو جو شبہ تھا اب اس نے یقین کا درجہ حاصل کر لیا۔ اور یہ خبر کے سنتے ہی واپس ہوگئے۔ تحقیق کرنے کا موقع بھی نہیں تھا۔ اور انہوں نے تحقیق کی کوشش بھی نہیں کی۔ اور واپس پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی عرض کر دیا کہ وہ لوگ تو قتل کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو افسوس ہوا۔ اور آپ نے اس قبیلہ کے لیے تادیبی کارروائی کا ارادہ کر لیا۔

ادھر اہل قبیلہ کو احساس ہوا کہ حضرت ولید کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس لیے وہ واپس ہوگئے تو انہوں نے چند نمائندے بارگاہ رسالت میں بھیجے کہ اس غلط فہمی کو دور کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تادیبی کارروائی کے لیے کوئی فوجی دستہ بھیجنے والے تھے کہ اہل قبیلہ کے نمائندے پہنچ گئے اور صورت حال عرض کر دی۔ معاملہ صاف ہوگیا۔ [۱] (طبرانی۔ بغوی، بحوالہ تفسیر مظہری تفسیر سورہ حجرات)

یہ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی غلطی تھی، معاذ اللہ شرارت نہیں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسکو غلطی ہی قرار دیا۔ چنانچہ خدمات حکومت سے محروم نہیں کیا۔ بلکہ ان کو دوسری جگہ مامور فرمادیا۔

---

[۱] ۔ اسی طرح کے واقعات کے متعلق وحی الٰہی نے مسلمانوں کو تعلیم دی۔ ان جاءکم فاسق بنبأ (سورہ حجرات) اگر کوئی فاسق (ناقابل اعتماد شخص) تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو پہلے تحقیق کر لو۔ بظاہر حضرت ولیدؓ کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ بلاتحقیق ایسے شخص کی خبر سے متاثر ہو کر واپس آگئے تھے۔ جس کو راوی نے شیطان کہا ہے۔ (واللہ علم)

۱۱ھ کے شروع میں (ربیع الاوّل میں)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے۔ ارتداد کی ایک ہوا چلی۔ مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اہل مکہ نے زکواۃ دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن سیدنا ولید بن عقبہ اس دور پر فتن میں ثابت قدم رہے۔ اور جب اندرونی قصّوں سے فارغ ہو کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت عراق کی طرف مجاہدین کو روانہ کیا۔ تو حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ اس قومی مہم میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ چنانچہ جنگ فدیارہ میں فتح یابی کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فتح کی بشارت، مال غنیمت کا خمس اور موجودہ یا پیش آنے والے حالات کے متعلق رپورٹ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت ولید بن عقبہ کے ہاتھ ہی بھیجی (طبری ج ۴ ص ۴)

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اگلے سال ۱۳ھ میں شام کی طرف جہاد کا ارادہ کیا عام دعوت بھی دی۔ اور خاص طور پر ان کو دعوت دی جو مختلف علاقوں میں تحصیل وصول وغیرہ پر مامور تھے۔ جو عامل کہلاتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو خاص طور پر فرمان بھیجا کہ شام کی مہم میں جو صاحب جانا چاہیں وہ تشریف لے جائیں۔ ان کا موجودہ منصب محفوظ رہے گا۔ جہاد کے بعد وہ واپس ہو جائیں گے۔

حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ اس وقت بھی قضاعہ کے صدقات وصول کرنے پر مامور تھے آپ کو بھی حضرت ابوبکرؓ کا فرمان موصول ہوا۔ تو جواب میں حضرت ولید رضی اللہ عنہ خود حاضر تھے (طبری ص ۲۹)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت اس محاذ پر معرکے شروع ہوئے۔ اس محاذ کا سب سے بڑا معرکہ، معرکہ یرموک تھا، حضرت ولید رضی اللہ عنہ ان معرکوں میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے (طبری ص ۳۰)

۱۷ھ میں قیصر روم نے حمص کی طرف اقدام کیا۔ اس کا دفاع کیا گیا۔ دفاع کے بعد اس علاقہ میں کچھ اور فوجی مہمیں روانہ کی گئیں۔ عرب الجزیرہ کو جو مہم روانہ کی گئی اس کی قیادت حضرت ولید بن عقبہؓ

کے سپرد کی گئی۔ اس مہم کے بعد حضرت ولید رضی اللہ عنہ اسی علاقہ میں مامور کر دیئے گئے (طبری ج۴ ص۱۲۹)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سب علاقوں میں بغاوت پھیلی، فارس کے بڑے بڑے علاقوں آذربائیجان، آرمینہ وغیرہ نے اپنے استقلال کا اعلان کر دیا۔ فوجی نظام کے لحاظ سے ان علاقوں کا تعلق کوفہ کی چھاؤنی سے تھا۔ یہاں چالیس ہزار فوج رہا کرتی تھی۔

حضرت ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے اثرات سے کام لے کر چھاؤنی کا نظام سنبھالا۔ پھر ان باغی علاقوں پر حملہ کیا۔ اور ایک ایک کر کے تمام باغی علاقوں کو مطیع اور فرمانبردار بنا لیا۔ (طبری ص۴۵)

پھر اس چھاؤنی کو اتنا مضبوط کر دیا کہ شام کے علاقہ میں رومی فوجوں نے حضرت معاویہ پہ دفعۃً چڑھائی کر دی۔ انہوں نے خلیفۂ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے امداد کی درخواست کی۔ تو سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ولید رضی اللہ عنہ کو فرمان بھیج کر اس چھاؤنی سے دس ہزار فوج شام کی امداد کے لیے روانہ کر دی۔ (طبری ص۴۶)

یہ تھیں اس وقت تک کی خدمات۔ اب ۲۶ھ میں حضرت ولیدؓ کوفہ کے گورنر ہوئے۔ تو بقول ابن جریر طبری:۔ کان احب الناس فی الناس وار فقھم بھم ولیس علیٰ دار باب (تاریخ طبری ص۴۷) (ترجمہ) سب سے زیادہ ہر دلعزیز۔ بہت مہربان، ان کی حویلی پر پھاٹک بھی نہیں تھا۔

نہ صرف ابن جریر طبری بلکہ ابن اثیر وغیرہ سب مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ پانچ سال تک یہی شان رہی، کہ ولید بن عقبہ کوفہ کے سب سے زیادہ ہر دلعزیز اور محبوب گورنر تھے۔ اہلِ کوفہ ان سے خوش تھے۔ اور ان کو اہل کوفہ پر یہ اعتماد تھا کہ ان کے فرودگاہ کا پھاٹک بھی نہیں تھا۔

کوفہ میں کچھ شوریدہ پشتوں کی شرارت

پھر ایک شخصی واقعہ یہ پیش آیا کہ قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص تھا (ابن الحیسمان) رات کو چند نوجوانوں نے اس کے گھر میں گھس کر اس کو قتل کر دیا۔ ابن حیمان نے شور مچایا۔ مگر اس کی مدد کو کوئی نہیں پہنچ سکا۔ حضرت ابو شریح (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی) اپنے صاحبزادہ کے ساتھ قریب ہی مکان میں قیام فرما

تھے۔ انہوں نے کچھ شور سُنا تو چھت پر چڑھے۔ ان شرارت پسندوں کو ڈانٹا۔ وُہ اپنا کام کر چکے تھے۔ مقدمۂ قتل پیش ہُوا۔ تو حضرت ابوشریح اور ان کے صاحبزادے نے شہادت دی۔ قصاص کا حکم ہُوا۔ پھر حسبِ قاعدہ مقدمہ کی مسل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پیش کی گئی۔ خلیفہ کی جانب سے فیصلہ کی تصدیق ہُوئی۔ ملزموں کو قصر امارت کے سامنے چوک میں قتل کر دیا گیا

ولید سے مخالفت کا آغاز

حضرت ابوشریح اور ان کے صاحبزادے تو چند روز کے لیے گئے تھے۔ وُہ مدینہ واپس چلے آئے۔ لیکن جو قاتل قصاص میں قتل کیے گئے تھے ان کے وارثوں کے دلوں میں ولید کی طرف سے کینہ بیٹھ گیا (طبری صفحہ ۵۹، ۶۰ - و ابن خلدون وغیرہ)

نکتہ چینی اور ہر ایک ممکن صورت سے ان کو پریشان کرنا اور زک دینا ان کا مشغلہ بن گیا۔

شراب نوشی کا الزام

قبیلہ بنی تغلب ایک مشہور قبیلہ تھا۔ جس نے اپنا سابق مذہب عیسائیت نہیں چھوڑا تھا۔ اور اس کے باوجود حضرت فاروق اعظم سے یہ رعایت حاصل کر لی تھی کہ ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔ جزیہ کے بجائے مسلمانوں پر جو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس کی دوگنی رقم وُہ دیا کریں گے۔

حضرت ولید بن عقبہ جب عرب الجزیرہ کے عامل تھے تو اسی قبیلہ میں آپ کا قیام تھا۔ وہاں ایک عیسائی جس کا نام ابوزبید تھا وہ مسلمان ہو گیا۔ قبیلہ بنی تغلب سے اس کا ننھیالی رشتہ تھا اس تعلق کی بنا پر اس نے قبیلہ کے آدمیوں سے قرض بھی لے رکھا تھا۔

جب ابوزبید مسلمان ہو گیا تو اس کے عیسائی قرض خواہوں نے شدت سے مطالبہ شروع کر دیا۔ وہ پریشان تھا۔ تو حضرت ولید نے اس کی یہ مدد فرمائی کہ اس کا تمام قرضہ اپنے ذمہ لے لیا۔ (طبری ص

اب قدرتی بات ہے کہ ابوزبید آپ کا غلام ہو گیا۔ ہر وقت آپ کے ساتھ رہنے لگا۔

حضرت ولید جب کوفہ کے گورنر ہُوئے تو گویا اس کی قسمت کا تارا چمک گیا۔ اور حضرت ولید کے پاس کوفہ آگیا خلاء ملاء پہلے سے تھا۔ وہی انداز یہاں بھی رہا۔ مگر شاعر تھا۔ شاعرانہ مزاج

رکھتا تھا۔ اسی کمزوری سے کینہ پروروں نے جن کے بیٹے قصاص میں قتل کیے گئے تھے فائدہ اٹھایا۔
بظاہر ایک طے کردہ منصوبہ کے بموجب وہ ایک روز حضرت ولید کے یہاں پہنچے۔ ولید کا دروازہ ہر ایک آنے والے کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ یہ دفعتہً وہاں پہنچ گئے۔ تو حضرت ولید نے اپنے آگے سے ایک طشت ہٹا کر چوکی کے نیچے کر دیا۔ اس پر ان کو موقع مل گیا اور باہر آکر کہنا شروع کر دیا کہ ولید اور ابوزبید شراب پی رہے ہیں۔ اب ایک مجمع وہاں پہنچ گیا۔ حضرت ولیدؓ مجمع کو دیکھ کر حیران ہوئے۔ سبب دریافت کیا۔ تو انہیں معلوم ہوا کہ ان پر یہ الزام لگایا گیا ہے حضرت ولید نے چوکی کے نیچے سے طشت نکال کر دکھا دیا کہ اس میں انگور کے خوشے تھے۔ خوشے ختم ہو گئے ہیں۔ بکھرے ہوئے دانے رہ گئے ہیں یہ صاحبان آئے تو اس خیال سے کہ ان بکھرے ہوئے دانوں پر میں ان کی خاطر نہیں کر سکتا۔ میں نے اس طشت کو چوکی کے نیچے کر دیا تھا۔ جو لوگ شراب نوشی کی خبر سن کر آئے تھے جب ان کو حقیقت کا علم ہوا تو ان خبر دینے والوں کو ملامت کی۔ طبری ص ۶۰ ج ۵۔
حضرت ولید بن عقبہ ان کو تنبیہ کر سکتے تھے۔ ان کی شکایت دربار خلافت تک پہنچاتے تو وہاں سے ان کے خلاف کوئی کارروائی ہو سکتی تھی۔ مگر حضرت ولید رضی اللہ عنہ کی وسعتِ ظرفی نے اس معاملہ کو دبا دیا۔ کوئی شکایت اوپر نہیں پہنچائی۔ مگر یہ حاسد و معاند ایسے حیادار کب تھے۔ کہ خاموش ہو جاتے۔ ان میں کا۔ ایک شخص جندب جس کا بیٹا زہیر قصاص میں قتل کیا گیا تھا۔ کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر قاضی اور مفتیٔ شہر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا۔ اور ان کے کان بھرے کہ ولید شراب پیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کو ٹال دیا کہ جب تک ہمارے سامنے کوئی مقدمہ نہیں آتا تو یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ کہ لوگوں کے اندرونی حالات ٹٹولیں (طبری ص ۶۱ ج ۵)
ان لوگوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے صرف چغلی کی تھی تاکہ بدظن کر دیں۔ دعویٰ دائر نہیں کیا تھا اس لیے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے ثبوت بھی طلب نہیں کیا۔ اور معاملہ کو ٹال دیا۔ لیکن حضرت

ولید رضؓ کو اپنی صفائی اور براءت پر اتنا یقین تھا کہ ان کو حضرت ابن مسعودؓ سے شکایت پیدا ہو گئی کہ انہوں نے الزام کی تحقیق کیوں نہیں کی - اور میرے متعلق ایسا شرمناک الزام سننے کے بعد معاملہ کو ٹال کیوں دیا (طبری صہ ۶۰-۶۱ ج ۵)

اس زمانہ میں ایک واقعہ ایک شعبدہ باز کا ہوا حضرت ولید کے یہاں کوئی شخص آیا۔ وہ شعبدے دکھاتا تھا۔ ایسے لوگ شاہ ایران یا امراء ایران کے پاس جاتے تھے۔ تو وہاں انعام پاتے تھے۔ اسی توقع پر وہ "امیر کوفہ" کے پاس بھی آیا اور کوئی شعبدہ دکھایا۔ ان شرارت پسندوں کو ایک اور موقع ہاتھ لگ گیا اور جادو کے متعلق سوالات شروع کر دیئے۔

حضرت ابن مسعودؓ کے یہاں شکایتی درخواست گزار دی کہ اس جادوگر کو سزا ملنی چاہیئے - اس شعبدہ باز کو بلایا گیا۔ اس نے اقرار کیا۔ اور ایک شعبدہ کرکے بھی دکھایا۔ تو حضرت ابن مسعودؓ کی رائے ہوئی کہ اس کو قتل کر دینا چاہیئے۔ مگر پھر گورنر (حضرت ولید) سے گفتگو ہوئی۔ تو دونوں کا فیصلہ یہ ہوا کہ اس کو قید میں ڈال دیا جائے۔ لیکن یہ شعبدہ باز بھی مضبوط آدمی تھا۔ اس نے دربار خلافت میں اپیل پہنچا دی۔ وہاں سے جواب آیا کہ قید میں ڈال دینا بھی صحیح نہیں ہے۔ اس سے حلفیہ بیان لیا جائے اور فہمائش کرکے چھوڑ دیا جائے (طبری صہ ۶۱ ج ۵)

بہرحال اس موقع پر بھی ان شرارت پسندوں کو منہ کی کھانی پڑی مگر اپنی حرکتوں سے پھر بھی باز نہ آئے۔

بالآخر کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اور امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے احتجاج کیا کہ ولیدؓ کو کوفہ سے معزول کر دیں۔ یہ درخواست خلیفۂ سوم نے منظور نہیں کی تو واپس آکر حضرت ولیدؓ اور حضرت خلیفہ سوم دونوں کے خلاف افواہیں پھیلانی شروع کر دیں (طبری صہ ۶۱)

پھر ایک روز حضرت ولیدؓ کے یہاں پہنچے۔ حضرت ولیدؓ سو رہے تھے۔ ان کی انگلی میں سے انگوٹھی نکال لی۔ اور اس کو بھی مدینہ بھیج دیا تاکہ شراب نوشی اور بدمستی کے ثبوت میں پیش کی جا سکے۔ (طبری صہ ۶۱، ۶۲ ج ۵)

بالآخر اس جدوجہد میں کامیاب ہو گئے۔ ایک ثقہ صورت نے گواہی دے دی کہ میں نے ولیدؓ کو شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ دوسرے نے گواہی دی کہ میں نے دیکھا کہ ولیدؓ نے شراب کی قے کی جس سے ڈاڑھی بھی تر ہو گئی۔

شاہدوں کے ناموں کے بارے میں مؤرخین کا سخت اختلاف ہے۔ طبری نے اور نام بیان کیے ہیں اور مسلم وغیرہ میں اور نام ہیں۔

بہر حال شہادتوں کے گذر جانے کے بعد حد جاری کر دینے کا فیصلہ لازم تھا۔ چنانچہ حد جاری کی گئی اور حضرت ولیدؓ کو معزول کر دیا گیا۔

حضرت مہتمم مدظلہ کی دیارِ عرب سے تشریف آوری

استاذنا المکرم حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہم زیارتِ حرمین شریفین سے فارغ ہو کر بفضلہٖ تعالیٰ بخیر و عافیت ۱۹ مارچ کو لاہور تشریف لے آئے ہیں۔ حضرت مدظلہ کی دیارِ عرب سے واپسی کے متعلق بہت سے ارادتمند شعراء کرام نے نظمیں بھیجی ہیں۔ جن میں سے ہم صرف دو حضرات جناب احسان دانش اور مولانا عبدالواحد آباد مدظلہ کا کلام جو دعاؤں یا بیت اللہ اور روضہ رسول اللہ کی منقبت ہی پر مشتمل ہے اس شمارہ میں شائع کر رہے ہیں۔ باقی شعراء کرام کی نظمیں جو زیادہ تر حضرت مہتمم صاحب کی تعریف و توصیف پر مشتمل ہیں، اس یقین کے پیش نظر کہ حضرت مدظلہ کو ان کی اشاعت بہت ہی ناگوار گزرے گی شائع کرنے سے قاصر ہیں امید ہے حضرات شعراء ہماری اس مجبوری کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی نظم کے طبع نہ ہونے پر ملول نہیں ہوں گے۔

اشرف

سُورَۃُ الحُجُرَات

ترجمہ و تفسیر

محترم مولانا قاری محمد عارف صاحب ایم اے ○ محترم مولانا قاری فیوض الرحمن صاحب ایم اے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا

اے لوگو! بیشک ہم نے پیدا کیا تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے، اور بنائیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تاکہ آپس

وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کی پہچان ہو۔ بے شک تم میں سے زیادہ معزز اللہ کے ہاں وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ

عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝۱۳ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ

جاننے والا خبردار ہے۔ کہتے ہیں گنوار (بدوی)، کہ ہم ایمان لائے۔ تو کہہ تم ایمان نہیں لائے، ہاں یہ کہو

قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا

ہم مسلمان ہوئے۔ اور ابھی نہیں داخل ہوا ایمان تمہارے دلوں میں۔ اور اگر تم اطاعت

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴

کروگے اللہ کی اور اس کے رسول کی، نہ کمی کرے گا تمہارے اعمال کی اجرت میں کچھ بھی۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا

ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر، اور اس کے رسول پر پھر انہوں نے شک نہیں کیا، اور جہاد کیا

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۱۵

اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ، اللہ کی راہ میں، یہی ہیں سچے۔

آیت نمبر ۱۳ | مشکل الفاظ :- شُعُوْبٌ - شَعْبٌ کی جمع ہے - یعنی قومیں یا نسلیں، قبائل - قبیلہ کی جمع ہے -

یعنی سب انسان حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی اولاد ہیں - خاندان اور قومیں صرف جان پہچان کے لیے ہیں فخر و تکبر کے لیے نہیں - تکبر کی چادر اللہ ہی کو زیبا ہے - حقیقتاً تمام عظمتیں اُسی سے خاص ہیں "وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" معیارِ شرافت، ذات پات اور برادری نہیں بلکہ اطاعت و پرہیزگاری ہے جب قیامت کا بگل بجے گا تو تمام انساب (ذاتیں) ختم ہو جائیں گی: "فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ" مومن کا کام یہ ہے کہ اللہ سے محبت کرے اور نسب پر فخر و غرور چھوڑ دے - حضرت جامیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے :-

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی　　که دریں راه فلاں ابن فلاں چیزے نیست

پس تمام علوم و فنون کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان میں عجز و انکسار، اطاعت و بندگی کی صفات پیدا ہوں اور اپنے انجام کے بارے میں متفکر رہے - مولانا روم فرماتے ہیں

جانِ جملہ علمہا این است و ایں　　که بدانی من کیم در یومِ دیں

آیت نمبر ۱۴ | مشکل لفظ :- لَا يَلِتْكُمْ - کم نہیں کرے گا - لَا يَنْقُصْكُمْ

یہ گنوار حقیقتاً ایمان نہیں لائے تھے یا نہایت ضعیف الایمان تھے - بظاہر اطاعت قبول کر لی - انہیں سمجھایا جا رہا ہے کہ اگر تم پکے مومن ہو جاؤ گے تو تمہارے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی نیز سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے - یہ دیہاتی بنو اسد تھے -

آیت نمبر ۱۵ | اس آیت میں حقیقی مومنوں کی صفات بیان ہوئیں کہ پکے مومن وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے - پھر اپنے ایمان پر جمے رہے - کسی بھی مرحلہ پر شکوک و شبہات کا شکار نہیں ہوئے - اللہ کی راہ میں اپنی جانیں اور مال سب کچھ قربان کر دیا - اپنے ایمان و عمل میں یہی لوگ سچے ہیں - یہ صفات صحابہ کرامؓ کی ہیں۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

تو کہہ کیا تم جتلاتے ہو اللہ کو اپنی دینداری۔ حالانکہ اللہ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور

الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۶ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ

زمین میں، اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ تجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ اسلام لائے (مسلمان ہوئے)

قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ

تو کہہ مجھ پر احسان نہ رکھو اپنے اسلام لانے کا، بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ

هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۷ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ

اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی۔ اگر تم سچ کہتے ہو۔ بے شک اللہ جانتا ہے غیب

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸

(چھپے بھید) آسمانوں کے اور زمین کے، اور اللہ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔

آیت نمبر ۱۶، ۱۷ بنو اسد نے کہا تھا کہ ہم بغیر جنگ کے از خود اسلام لے آئے ہیں اس لیے ہم خاص مراعات کے مستحق ہیں۔ اُن سے خطاب کیا جا رہا ہے۔ اگر واقعی تم مسلمان ہو بھی گئے ہو تو اللہ کے رسول پر کیا احسان رکھتے ہو، یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ تمہیں مسلمانوں کے حملوں سے محفوظ رکھا اور دائمی نجات کی راہ دکھا دی۔ کیا اللہ تعالیٰ پہ اپنی دینداری ظاہر کرنا چاہتے ہو۔ اللہ کو سب کائنات کی پوری پوری خبر ہے۔ اس کامل و جامع علم رکھنے والے کو بھلا کوئی کیا بتائے گا۔

آیت نمبر ۱۸ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی تمام پوشیدہ چیزوں کو خوب جانتے ہیں۔ کسی بھی انسان کا ایمان و عمل ان سے مخفی نہیں۔

اہم نکات

۱۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے سبقت نہ کی جائے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت و جلال، ادب و احترام کو ہر حالت میں ملحوظ رکھا جائے

آپؐ کے سامنے آوازیں بلند نہ کی جائیں اور آپؐ سے نہایت مودبانہ گفتگو کی جائے۔

۳ - جو لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، وہ پکے مومن ہیں، ان کا امتحان لیا جا چکا ہے۔ ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔

۴ - جلد بازی سے کام نہ لیا جائے بلکہ پوری تحقیق کی جائے۔

۵ - مسلمانوں کی دو جماعتیں جب باہم لڑ پڑیں تو صلح کرا دی جائے۔ اگر باغی جماعت صلح پر راضی نہ ہو تو اس کے خلاف جنگ کی جائے۔ یہاں تک کہ وہ جنگ سے باز آجائے۔

۶ - مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، صلح صفائی میں عدل و انصاف سے کام لیا جائے۔

۷ - باہمی استہزاء، طعنہ زنی، بدگمانی، بُرے نام سے پکارنا، غیبت اور چغلی وغیرہ سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

۸ - تمام انسان برابر ہیں۔ ایک ماں اور باپ کی اولاد ہیں۔ نسلیں اور قبائل محض تعارف کے لیے ہیں۔ عزت و شرافت کا معیار نہیں۔ فضیلت کا دار و مدار صرف تقویٰ پر ہے۔

۹ - قبولیتِ اسلام کا احسان اللہ کے رسول پر نہ رکھا جائے۔ بلکہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے اسلام قبول کرنے کی توفیق نصیب فرمائی۔

۱۰ - اللہ تعالیٰ انسانوں کے اعمال کو خوب جانتے ہیں، زمین و آسمان بلکہ پوری کائنات کی ذرہ ذرہ چیز سے باخبر ہیں۔

انوارِ مدینہ

نہ پہنچنے یا تاخیر سے پہنچنے کی شکایت محترم عطاء اللہ خاں صاحب منیجر انوارِ مدینہ، جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے کی جائے اور ہر خط میں خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ ——— ادارہ

درسِ حدیث

خلوت در انجمن

حضرۃ مولانا الحاج السیّد حامد میاں دامت برکاتہم

حدیث قدسی میں ارشاد ہے۔ یا ابن آدم تفرّغ لعبادتی املأ صدرک غنی واسد فَقرک وان لا تفعل ملأت یدک شغلا ولم اسد فقرک:

اس حدیث شریف میں باری تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی بندوں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ اگر وہ خدا کی طرف رجوع کریں گے۔ تو ان کے سارے کام ٹھیک ہو جائیں گے تمام کاموں میں برکت ہوگی۔ ورنہ کاموں میں برکت نہ ہوگی۔ اگرچہ بظاہر اس کے سارے کام ٹھیک نظر آتے ہوں گے مگر درحقیقت وہ ہمیشہ پریشان اور حاجت مند رہے گا۔ حدیث شریف کا پہلا فقرہ ہے:۔

یا ابن آدم تفرّغ لعبادتی۔ اے انسان! تو ہماری عبادت کے لئے خالی (فارغ) ہو جا۔ اس کا یہ مطلب تو ہے ہی نہیں کہ سارے کام چھوڑ کر ہماری عبادت میں لگ جا۔ کیونکہ خود حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کبھی نہیں کیا اور نہ ہی صحابہ کرام میں سے کسی کو ایسی تعلیم دی ہے۔ بلکہ ایک دفعہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے آپس میں بیٹھ کر یہ طے کیا کہ آئندہ ہم دنیا کے تمام کام چھوڑ کر اللہ کی عبادت کریں گے۔ اسی کی یاد میں باقی زندگی گزاریں گے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنے لئے علیحدہ علیحدہ عبادت تجویز کی۔ ایک نے کہا، میں اپنے آپ کو ایک سو رکھوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا تاکہ یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہوں۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں پوری رات

اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کروں گا۔ غرض سب نے اپنے اپنے لئے ایک نہایت پُر مشقت عبادت تجویز کرلی۔

اِس ارادے اور اِس طرح فیصلہ کرنے سے پہلے انہوں نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کتنی اور کس طرح عبادت فرماتے ہیں۔ جب آپ کے معمولات کا علم ہوا تو کہنے لگے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو نبی بنایا ہے۔ ہر چیز آپ کے لئے معاف ہے۔ آپ کو اتنی عبادت کی بھی ضرورت نہیں۔ جتنی کر رہے ہیں۔ ہم گناہ گار ہیں۔ ہمیں تو زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیئے۔ اس لئے انہوں نے سب کاموں کو چھوڑنے اور عبادت کرنے کا تہیّہ کر لیا۔ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کا یہ فیصلہ معلوم ہوا۔ تو انہیں طلب فرما کر ارشاد فرمایا۔ کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے ایسا ایسا طے کیا ہے۔ اور یہ سب غلط ہے۔ میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور خدا کا تقویٰ رکھنے والا ہوں۔ لیکن میں روزہ رکھتا بھی ہوں، نہیں بھی رکھتا ہوں رات کو جاگتا بھی ہوں، سوتا بھی ہوں۔ نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو میرا طریقہ ہے۔ صرف وہی نجات کا راستہ ہے۔ جو اس کے علاوہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ وہ غلط راستہ پر ہے۔ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔

غرض انہیں ان کے ارادوں پر عمل کرنے سے سختی سے منع فرمایا۔

آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلّم نے کسی شخص کو دیکھا کہ جہاں اچھی جگہ دیکھتا ہے چاہتا ہے کہ میں یہاں رہ جاؤں۔ تاکہ سکون سے اللہ تعالےٰ کی عبادت کروں۔ آپ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ لوگوں سے مل جل کر رہو۔ ان سے جو تکلیف تمہیں پہنچے گی۔ اُس پر صبر کروگے تو تم کو ثواب ملے گا۔

روایت میں ہے کہ عن بن عمرؓ عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم قال المسلم یخالط الناس ویصبر علی اذاھم افضل من الذی لایخالطھم ولا یصبر علیٰ اذاھم۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان جو لوگوں میں مل جل کر رہے اور ان سے جو تکالیف اور اذیتیں پہنچتی ہوں ان پر صبر کرے۔ اس سے اچھا ہے۔ جو لوگوں میں نہیں رہتا اور ان کی اذیتوں پر صبر نہیں کرتا۔

یہ حقیقت ہے کہ لوگوں میں رہنے والے کو کسی نہ کسی سے کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور پہنچتی ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں جو تکلیف پہنچے گی، اس پر صبر کر کے ثواب حاصل کرو۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد تفرغ لعبادتی کہ اے انسان! تو میری عبادت کے لئے خالی اور فارغ ہوجا کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان تارک الدنیا ہو کر بیٹھ جائے۔ کیونکہ اسلام نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ خالی (فارغ) ہونے کی صورت یہ ہے۔ کہ ہر کام میں شریعت ہی کو رہبر بنائے۔ اٹھنے بیٹھنے میں، سونے جاگنے میں، خرید و فروخت میں، غرضیکہ تمام معاملات اور سب کاموں میں شریعت ہی کو مدنظر رکھے۔ ایسا کرنے والے نے گویا اپنے آپ کو خدا کیلئے فارغ کر لیا۔

شریعت نے ہر کام میں رہبری کر دی ہے دنیا میں کوئی کام ایسا نہیں جس کے کرنے کا طریقہ خدا تعالیٰ نے نہ بتلایا ہو یا آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات میں نہ رہا ہو۔ تو جو انسان اپنی زندگی کو ایسی بنالے، جیسی شریعت نے بتلائی ہے، تمام کام شریعت کے مطابق کرے، تو وہ ایسا ہے جیسے صبح سے شام تک خدا کی عبادت میں لگا رہا۔ اگرچہ بظاہر ایسے شخص نے اپنا وقت دنیاوی کاموں میں گزارا ہو۔ کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کام کیے جو کام اللہ تعالیٰ کو ناپسند تھے وہ چھوڑ دیئے۔ جائز کام کرتا رہا۔ اور ناجائز سے کنارہ کشی اختیار کی۔ جو آدمی جائز حدود میں کاروبار کرتا ہے۔ وہ لامحالہ خدا کی حدبندی کا خیال رکھتا ہے۔ اور کاروبار کے وقت اس کا دھیان خدا کی طرف لگا رہتا ہے۔ وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح زندگی گزارتا ہے۔ وہ ناجائز کاموں سے صرف اس لئے کنارہ کش ہے۔ تاکہ اس سے اس کا خدا ناراض نہ ہو۔ گویا اُسے ہر وقت خدا کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے۔ ایسا آدمی یقیناً خدا کی عبادت کے لئے خالی ہو گیا۔

اسلام نے خلوت درانجمن تعلیم فرمائی ہے۔ یعنی سب میں رہ کر سب کاموں میں لگ کر بھی ایسا رہے۔ جیسے تنہائی میں رہتا ہو۔ "دست بکار دل بیار" والا معاملہ ہو۔

وہ طریقہ جو عیسائیوں نے ایجاد کر لیا ہے۔ کہ گوشہ نشین ہو کر عبادت کی جائے۔ اسلام نے اس سے روک دیا۔ آگے ارشاد ہے کہ جو عبادت خداوندی کے لئے خالی ہو گیا۔ اس میں ایک قسم کی بے نیازی آجائے گی۔ یعنی

اس کی نظر لوگوں سے ہٹی رہے گی۔ جو صرف خدا پر بھروسہ رکھے گا، خدا اسکو کسی کا محتاج نہیں رکھے گا۔ املأ صدرک غنی۔ یعنی میں تیرے سینے کو غنا سے بھر دوں گا، ہاں وان لا تفعل اگر تو عبادت کے لئے خالی نہیں ہوگا، ہر وقت دنیا کے کاموں میں لگا رہے گا، تو ملأت یدک شغلا ولم اسد فقرک، میں تیرے ہاتھوں کو کاموں سے بھر دوں گا تو ہمیشہ محتاج رہے گا۔ بظاہر کتنا ہی بڑا امیر کیوں نہ نظر آتے، درحقیقت ہمیشہ محتاج ہوگا، تیرے اوپر پریشانی اور حاجت مندی کا دروازہ ہر وقت کھلا رہے گا۔ اور تو کبھی مطمئن نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بے نیازی سے نوازے۔



نعت

اسد اللہ طارق
دار العلوم کبیر والہ

جس قلب پہ نام آپ کا مرقوم رہا ہے — آئینہ وہی صاحبِ مقسوم رہا ہے

میخانۂ بطحا کے تصوّر کے تصدق — محسوس یہ ہوتا ہے کہ دل جھوم رہا ہے

رحمت نے اسے بادۂ کوثر سے نوازا — جو تیرا ہوا ہے کہاں محروم رہا ہے

آ سرورِ کونین کے روضے سے لپٹ جائیں — اے طائرِ افکار کہاں گھوم رہا ہے

کیا شانِ مقدّر ہے کہ ہوں آپ کے در پر — کیا نشۂ وحدت ہے کہ دل جھوم رہا ہے

واللہ کہ دامانِ طرب چھو نہیں سکتا — وہ دل جو تیرے عشق سے محروم رہا ہے

میں دین کی خدمت کے لیے وقف ہوں طارق — صد شکر یہ جذبہ میرا مقسوم رہا ہے

❋

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے پاکیزہ حالات

حیاتِ شیخ الاسلامؒ

حضرۃ علامہ مولانا سید محمد میاں مدظلہم

قسط : ۴

اسارت مالٹا

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب اور ان کے رفقاء کو جدہ میں ایک ماہ قیام کرنا پڑا۔ کیونکہ کرنل وسن جو انچارج افسر تھا کہیں باہر چلا گیا تھا۔ جب وہ واپس ہوا تو حکم ہوا کہ ان حضرات کو "مصر" روانہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ۱۸ ربیع الاوّل ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء کو خدوی آگبوٹ پر سوار کرا کر ان حضرات کو مصر روانہ کر دیا گیا ۲۲ ربیع الاوّل ۳۵ھ مطابق ۱۶ جنوری ۱۹۱۷ء کو یہ آگبوٹ سویز پہونچا وہاں تقریباً دو ڈیڑھ درجن گوروں کی مسلح گارڈ کی حراست میں ان حضرات کو قاہرہ تک پہونچا دیا گیا اور وہاں سے جیزہ جو قاہرہ کے مقابل دریائے "نیل" کے دوسرے کنارہ پر واقع ہے پہونچایا گیا جہاں سیاسی قیدیوں کا جیل خانہ بنایا گیا تھا۔ اس جیل خانہ میں تقریباً دو سو سیاسی قیدی مختلف ممالک کے اور بھی تھے جن میں زیادہ تر مسلمان تھے۔

اگلے روز ان سب حضرات کو شہر میں لے گئے جہاں جنگی دفتر اور مرکز تھا اور وہاں ان حضرات سے بیانات لینے شروع کئے گئے۔ پہلے روز حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب سے بیان لیا گیا۔ ہم اس بیان کو تفصیل کے ساتھ علماء حق حصہ اوّل میں ذکر کر چکے ہیں۔

دوسرے روز حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی صاحب مدظلہ العالی سے بیان لیا گیا جس کا سلسلہ دو روز تک جاری رہا پھر باقی رفقاء وحضرت مولانا عزیز گل صاحب مولانا حکیم نصرت حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا وحید احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیانات سنے گئے۔

بیانات کے بعد ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ کال کوٹھریوں میں بند کیا جاتا رہا۔ یہ کوٹھریاں تنگ اور تاریک تھیں۔ روشنی کے لیے پشت کی دیوار میں چھت کے قریب ایک روشندان تھا۔ کیواڑ لکڑی کے تھے۔ مگر نہ ان میں کوئی درار تھی نہ سوراخ۔ پاخانہ پیشاب کے لیے ایک ایک بالٹی اور صراحی رکھدی جاتی تھی۔ ایک گھنٹہ کے لیے ان کوٹھریوں میں سے باہر نکال کر صحن میں ٹہلایا جاتا تھا مگر یکے بعد دیگرے چنانچہ ایک ہفتہ تک آپس میں ایک کو دوسرے کی خبر تک نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ٹہلانے کا وقت ایک ہی کر دیا گیا جس کے باعث آپس میں ملاقات کر سکتے اس عرصہ میں ہر ایک کو یقین تھا کہ پھانسی کا حکم ہوگا۔ (کیونکہ ہندوستان میں پھانسی کے ملزمین ہی کو اس طرح رکھا جاتا ہے) مگر بظاہر ثبوت فراہم نہ ہو سکا۔ لہذا پھانسی سے نجات ملی۔ اور مالٹا جانے کا حکم ہوا چنانچہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۵ رفروری ۱۹۱۷ء کو مالٹا روانہ کر دیا گیا جو سیاسی اور جنگی قیدیوں کا مرکز تھا اور جہاں صرف ایسے فوجی افسروں یا سیاسی اسیروں کو بھیجا جاتا تھا جو بہت خطرناک اور اپنے خیالات پر نہایت سخت اور پختہ ہوتے تھے اور کسی قسم کی طمع ان پر اثر نہ کر سکتی تھی۔

۲۹ ربیع الثانی ۳۵ھ ۲۱ر فروری ۱۷ء کو یہ حضرات مالٹا پہونچے شام کے وقت ان کو اس لیے اتارا گیا کہ شہر والے دیکھیں اور خوش ہوں کیونکہ وہ سب لوگ عیسائی تھے اگرچہ ان میں سے زیادہ تر وہ تھے جن کے آباواجداد پہلے مسلمان تھے جبکہ مالٹا مسلمانوں کے زیرنگین تھا (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سفرنامہ اسیر مالٹا اور علماء حق حصہ اوّل)

اسارت گاہ مالٹا میں تقریباً تین ہزار قیدی تھے جن میں تقریباً نصف جرمنی تھے۔ باقی آسٹرین بلغاری ترکی، مصری، شامی وغیرہ چونکہ اس مجمع میں ہر قسم ہر لیاقت اور مختلف ملکوں کے باشندے مختلف زبانوں

کے بولنے والے جمع تھے اور ہر علم اور ہر زبان کی کتابیں یا تو وہاں مل جاتی تھیں ورنہ دیگر ممالک سے منگالی جاتی تھیں ۔ اس لیے یہ اسارت گاہ ایک حیثیت سے اچھا خاصا دارالعلوم بن گیا تھا خصوصاً سیاسی امور تاریخی حالات اور بالخصوص سیاسیات حاضرہ کے لیے تو گویا یہ جیل خانہ ایک بے نظیر کالج تھا جس میں نہ صرف فکری سیاسیات کے جاننے والے جمع تھے بلکہ عملی سیاسیات کے اعلیٰ ماہرین بھی موجود تھے ۔

تمام اہل ذوق ترقی پذیر حضرات نے اپنے لیے پروگرام مقرر کر لیے تھے ۔ اور اپنے وقت کو بیکار ضائع کرنے کے بجائے استعداد بڑھانے میں صرف کرتے تھے ۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے حفظ قرآن کی دولت اسی اسارت گاہ سے حاصل کی ۔ آپ کی غیر محدود معلومات کا ذخیرہ بھی اسی اسارت گاہ کا اندوختہ ہے ۔

رہائی بالآخر ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب اپنے شیخ محترم حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز اور باقی رفقاء کے ساتھ مالٹا سے رہا کیے گئے ۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ ہندوستان میں تحریک خلافت اور تحریک استخلاص وطن شروع ہو چکی تھی اور وہ آتش جان سوز جوان حضرات کے مغز استخوان کو عرصہ سے مبتلاءِ تپش کیے ہوئے تھی اب اس کی حرارت بے شمار ہندوستانیوں کے دلوں میں پہنچ چکی تھی ۔

لہٰذا جذبۂ استخلاص وطن اور جوش حمایت خلافت آپ کو اپنے شیخ محترم کی ہمرکابی میں ہندوستان لے آیا ۔ اس جنگ کے نتیجہ نے جرمنی سے زیادہ دولت عثمانیہ اور مسلمانوں کو نقصان پہونچایا تھا ۔ ترکی حکومت جو جنگ سے پہلے دنیا کی دول عظمیٰ میں شمار ہوتی تھی ۔ اب اس کا خاتمہ کر دیا گیا تھا ۔ اس کے ممالک محروسہ پر عمل جراحی کر کے ہر ایک حصہ بدن کو یورپ کے کفن فروشوں نے آپس میں بانٹ لیا تھا ۔ حجاز، عراق ، شرق اردن کے علیحدہ علیحدہ پاکستان بنا کر برطانوی تولیت میں دیئے گئے تھے ۔

شام فرانس کے حوالہ ہوا تھا ۔ فلسطین کو وطن الیہود قرار دیا گیا ۔ یورپ سے ترکوں کا اخراج پہلے ہی ہو چکا تھا ، رہے سہے حصے بھی اب چھین لئے گئے تھے ۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے نزدیک ملّت اسلامیہ کی بدبختی اور مصیبت کے اس سیاہ

ورق کو الٹنے کے لیے مدینہ طیبہ جانا مفید نہ تھا۔ ضرورت یہ تھی کہ اس پنجۂ فولادی اور دست ستمگر کو موڑ دیا جائے۔ جس کی انگلیوں میں ظلم وستم کی تمام شتریوں کی باگ تھی اور جس کے بٹن دبانے سے یہ تمام بجلیاں مسلم اقوام کے خرمنوں پر گری تھیں۔

اس ہلاکت انگیز ہاتھ کی کلائی ہندوستان تھا۔ لہٰذا صحیح راستہ یہی ہو سکتا تھا کہ اس کلائی پر ضرب لگائی جائے اور اس بازو کو ہمیشہ کے لیے مفلوج کر دیا جائے۔ چنانچہ آزادیٔ ہند آپ کے نزدیک ملت اسلامیہ اسلامی ممالک اور اسلامی اقوام کی رہائی اور گلو خلاصی کا واحد ذریعہ تھا۔ اسی بناء پر جدہ کے بجائے آپ نے بمبئی کا رخ کیا۔ اور دہلی پہنچنے سے پہلے ہی تحریک استخلاص وطن اور تحریک حریت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ العزیز مالٹا سے رہا ہوئے تو مرض ساتھ لائے مالٹا چھوٹ گیا مگر مرض نہ چھوٹا حتیٰ کہ رفتہ رفتہ تپ دق کی شکل اختیار کر گیا اور رہائی سے صرف پانچ ماہ بعد آپ نے اس عالم سے رحلت فرمائی۔

حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد دنیا نے آپ کو (حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کو) حضرت شیخ الہندؒ کا جانشین سمجھا آپ نے اگرچہ کبھی بھی اس لفظ کو یا اس قسم کی کسی اعزازی خطاب کو پسند نہیں کیا حتیٰ کہ اگر آپ کے سامنے اس قسم کا خطاب زبان سے نکل بھی جاتا ہے تو فوراً عتاب ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مفاد ملت کے لیے آپ کی انتھک جدوجہد خلوص، ایثار، صداقت، حق پرستی، فراخ حوصلگی اور بلند ہمتی نے ہر اس شخص کی نظر میں آپ کو حضرت شیخ الہندؒ کا صحیح جانشین قرار دیا جو آپ سے قریب کا تعارف رکھتا ہے۔

اطاعت شعاری کی ایک مثال

اس نازک وقت میں تپ دق نے حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ العزیز کو زندگی سے بہت دور اور وفات سے بہت قریب کر دیا تھا۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے لیے خدمت شیخ سے جدا ہونا حد درجہ شاق تھا۔ جس ذات ستودہ صفات کی خدمت کے لیے تمام احباب اور اقارب کو چھوڑ کر مصر اور مالٹا کی چار سالہ اسارت برداشت کی زندگی کے آخری لمحات میں اس سے جدائی

دردانگیز سانحہ ہے۔

لیکن اسی زمانہ میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے کلکتہ میں ایک دارالعلوم کی بنیاد ڈالی آپ کی خواہش یہ تھی کہ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ خود اس کی صدارت منظور فرمائیں، چونکہ زمانہ کے مقتضیات کے بموجب بلند مقاصد کے پیش نظر اس دارالعلوم کو قائم کیا جارہا تھا۔ لہٰذا حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے اس کی اہمیّت کو محسوس فرمایا۔ مگر علالت کے باعث خود تشریف لے جانے اور خدمت کرنے سے معذور رہے لہٰذا اپنی جگہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کو اس کی صدارت کے لیے منتخب فرمایا۔

معلوم ہوُا ہے کہ بعض دوُسرے نامور حضرات کو جو حضرت شیخ الہندؒ کی شاگردی اور آپ سے خصوصی تعلق پر فخر کیا کرتے تھے، حضرت شیخؒ نے اس خدمت کے لیے مامور فرمانا چاہا، مگر ان حضرات نے معذرت کردی سب سے بڑا عذر یہی پیش کیا کہ وُہ اس حالت میں حضرت شیخ سے جدائی پسند نہیں کرتے حالانکہ اسارت مالٹا کے طویل زمانہ میں اس مفارقت کو خندہ پیشانی سے برداشت کر چکے تھے بلکہ بعض تو وہ تھے کہ انہوں نے ذلت آمیز جدوجہد کرکے خطرہ رفاقت سے جان بچائی تھی۔

بہرحال حضرت شیخ الہندؒ نے اسی ایثار شیوہ مخلص کو جو شرف رفاقت حاصل کرنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرچکا تھا اس موقع پر بھی ایثار اور قربانی کے لیے منتخب فرمایا۔ چنانچہ اس مخلص فداکار نے تعمیل حکم کے لیے خود کو پیش کردیا اور کلکتہ روانہ ہوگیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یا تو عام مدعیان ارادت وعقیدت اس نکتہ سے واقف ہی نہیں ہوتے یا واقف ہونے کے باوجود تجاہل اختیار کرتے ہیں۔ کہ حاشیہ نشینی اور حاضر باشی کا نام ارادت اور محبت نہیں ارادت و محبت کا معیار ہے اطاعت محبوب کی رضاجوئی اور مرضی محبوب کے سامنے تسلیم و رضا۔

بہرحال حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا یہ سبق آموز ایثار تھا کہ حکم شیخ کی تعمیل کے لیے آخری لمحات میں خدمت شیخ کی تمنا کو قربان کردیا۔ چنانچہ روانگی کلکتہ سے دو تین روز بعد ہی حضرت شیخ الہندؒ قدس اللہ سرہ العزیز نے " الرفیق الاعلیٰ " کی رفاقت کے لیے " عالم اسفل " کو

الوداع کہا جس وقت حضرت مولانا حسین احمد صاحب کلکتہ روانہ ہونے کے لیے حضرت شیخ سے رخصت ہو رہے تھے تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نقاہت کے باعث اٹھ بھی نہیں سکتے تھے آپ نے حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا ہاتھ پکڑا اور اپنے سر پہ رکھا آنکھوں سے لگایا سینے سے چمٹایا اور تمام بدن پہ اس کو پھیرا اس وقت ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ واقفین رموز طریقت کا قیاس ہے کہ یہ عطاء فیوض روحانی کی خاص صورت تھی۔

تحریک موالات۔ مقدمہ کراچی۔ اور دو سالہ اسارت ۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء کی تحریک کا بنیادی پروگرام مقاطعہ اور ترک موالات تھا یعنی ان تعلقات اور معاملات کو برطرف کر دینا جن میں۔

ا۔ برطانیہ کو امداد دی جا رہی ہو۔

ب۔ برطانیہ سے امداد لی جا رہی ہو۔

ج۔ نیز ان روابط و تعلقات سے کنارہ کش ہو جانا جو محبت اور مؤدت کی علامت اور شعار سمجھے جاتے ہیں۔

د۔ یا جن کے باعث معصیت کا ارتکاب ہوتا ہو۔

ہ۔ یا اسلام کو کوئی نقصان پہونچتا ہو۔

اس تحریک کے سلسلہ میں حضرت مولانا کی قلمی جدوجہد کا شاہکار "رسالہ ترک موالات" ہے جس کو گورنمنٹ آف انڈیا نے ضبط قرار دیا تھا۔

یہ رسالہ اپنی چند خصوصیتوں کے باعث خاص امتیاز رکھتا ہے مثلاً

۱۔ اس رسالہ میں ترک موالات کی اہمیت و فرضیت کو فریق مخالف کے مقتدیٰ حضرت مولانا اشرف علی صاحب کے ارشادات سے ثابت کیا گیا ہے۔

۲۔ اس رسالہ میں ان علماء متقدمین کے فتاوے نقل کر دیئے گئے ہیں جن کے علمی تبحر تقدس، اور عظمت و جلالت شان کے سامنے تمام علماء سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ مثلاً اس میں شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ کا ایک فتویٰ نقل فرمایا گیا ہے جس میں تصریح فرمائی گئی ہے کہ غیر مسلموں

کی ملازمت کن حالات میں جائز ہے اور کن حالات میں اس کو ترک کرنا واجب اور فرض ہے۔ اور باقی رکھنا حرام ہے۔

دوسرا فتویٰ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جس کے ساتھ مولانا احمد سعید صاحب کے نام ایک خط بھی ہے اس کے متعلق حضرت مولانا حسین احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں یہ خط مولانا قدس اللہ سرہ العزیز نے زمانہ جنگ روم و روس میں تحریر فرمایا تھا اور فرنگی محل لکھنؤ میں بعینہٖ پرانے کاغذات کے دفاتر میں محفوظ تھا۔ حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جبکہ اواخر ماہ شوال ۱۳۲۸ھ میں لکھنؤ تشریف لے گئے۔ تو ان کے سامنے حضرت مولانا عبد الباری صاحب (فرنگی محل، دام مجدہم نے پیش کیا مولانا مرحوم دیکھتے ہی پہچان گئے۔ کہ یہ خط حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کا ہے۔ رسم خط طرز تحریر مضمون وغیرہ ایسے تھے کہ کسی دوسرے کی طرف گمان بھی نہیں جاسکتا تھا۔ میں نے خود حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کو سنایا فرماتے تھے کہ اس خط کو دیکھنے سے تو پورا اطمینان حاصل ہوگیا اور اب تو قلب میں کسی قسم کا کوئی خدشہ باقی ہی نہیں رہا۔ مولانا حافظ احمد صاحب (مہتمم دار العلوم دیوبند) دام مجدہم نے بھی اس کو دیکھا ہے اور وہ بھی اس کی تصدیق فرماتے ہیں (رسالہ ترک موالات صہ ۳۸، صہ ۲۹)

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتویٰ میں آیات کتاب اللہ کے شواہد پیش فرماتے ہوئے روس اور روس کے معاونین کے ساتھ اعانت اور موالات کو حرام اور ترکیوں کی امداد کو واجب اور فرض قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو ترک موالات) از صہ ۳۹ تا صہ ۴۵

رسالہ ترک موالات کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انگریزوں کی اسلام دشمنی اور عہد شکنی کو منطقی یا تاریخی دلائل سے پیش کرنے کے بجائے چشم دید تازہ واقعات سے ثابت کیا گیا ہے، چونکہ ان مصائب کو خود حضرت شیخ اور آپ کے متعلقین نے برداشت کیا ہے علاوہ ازیں تحریک ترک موالات کے سلسلہ میں یہ واقعات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان واقعات کو بعینہٖ حضرت مولانا کے الفاظ میں نقل کردیں۔

دوم نومبر ۱۹۱۴ء کو ذیل کا اعلان شائع کیا گیا اور یہ اعلان ہر ہر شہر اور قصبات بلکہ گاؤں گاؤں میں منتشر کیا گیا۔ ہندوستان ہی نہیں دیگر ممالک اسلامیہ سوڈان و افریقہ وغیرہ میں بھی منتشر کیا گیا۔

برطانیہ عظمی اور ٹرکی میں جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے جو دولت عثمانیہ نے قصداً بغیر کسی قسم کی دھمکی دیئے جانے کے غلط مشوروں سے شروع کی ہے۔ ملک معظم کی گورنمنٹ ہز ایکسلنسی وائسرائے ہند کو اختیار دیتی ہے کہ وہ عرب کے مقدس مقامات اور عراق کے مقدس مقامات گاہوں اور جدہ کے ساحل کے متعلق ایک عام اعلان کر دیں تاکہ ملک معظم کی بہت ہی وفادار ہندوستانی مسلم رعایا کو اس جنگ کے متعلق کسی قسم غلط فہمی نہ ہو کہ مذہبی سوال سے کسی قسم کا تعلق نہیں اعلان یہ ہے کہ یہ مقدس مقامات اور جدہ برطانیہ کی بحری اور بری فوج کے حملہ اور دست برد سے بالکل محفوظ رہے گا۔ تاوقتیکہ ہندوستانی حاجی اور افراد کی آمد و رفت میں کوئی دست اندازی نہ کی گئی ملک معظم کی حکومت کے کہنے سے فرانس اور روس کی حکومتوں نے بھی اس قسم کا اطمینان دلایا ہے، ۲، نومبر ۱۹۱۴ء

اب اس کے بعد آپ غور فرمائیں کہ کس طرح نقض عہد اور خلاف وعدہ عمل درآمد ہوا۔

۱ - اعلان جنگ سے کچھ دنوں بعد حجاز کے سواحل میں عربوں کو ورغلانے کے لیے بارہا ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے اشتہارات پھینکے گئے جن کا حاصل مضمون یہ تھا کہ ترکوں کو نکالدو ہم تمہاری ہر طرح مدد کریں گے۔ برطانیہ مسلمانوں کی بڑی خیر خواہ ہے۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو برطانیہ تمہارے ساتھ ہمدردی نہ کرے گا۔

۲ - غلہ ملک حجاز سے بند کر دیا گیا۔ آوائل ماہ صفر ۳۴ھ میں اخیر جہاز پہونچا اس کے بعد غلہ کی آمد ملک حجاز سے بالکل بند کر دی گئی جس کی وجہ سے سخت گرانی ہوگئی۔ اور لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ اہل ہند کے سخت مطالبہ پر ماہ جمادی الثانی میں کلکتہ سے فیروزی آگبوٹ چاول وغیرہ کے چند ہزار بورے لے کر روانہ ہوا۔ اس کو جبراً عدن میں خالی کرا دیا گیا۔ اور وہ غلہ جدہ میں اس وقت پہونچایا گیا جبکہ ترکی حکومت کا اثر بالکل اٹھ چکا تھا۔

۳ - اسی زمانہ میں بادبانی جہاز جو بحر احمر میں افریقہ کے سواحل سے غلہ لا کر جدہ مکہ اور حجاز کے اہالی کو

پہونچاتے تھے اور لوگوں کو بھوک سے مرنے کے محافظ ہوتے تھے۔ انگریزی جنگی جہازوں نے ڈبونا اور لوگوں کو قید کرنا اور غلہ چھیننا شروع کر دیا۔ اور اسی طرح بہت سے بادبانی جہاز اہل عرب کے غارت کر دیئے گئے۔ جس کی وجہ سے غلہ کی آمد بالکل بند ہوگئی اور لوگ بہت زیادہ پریشان ہو گئے۔

۴ - آٹھویں یا نویں شعبان ۱۳۳۴ھ یوم شنبہ کی شب میں تقریباً دس بجے رات سے خود بخود جدّہ کے دائیں اور بائیں اطراف پر جہاں کہ ٹرکی فوج اور اس کی عمارتیں شفاخانے اور عدالتیں وغیرہ تھیں دس یا بارہ جنگی جہازوں نے گولہ باری شروع کر دی۔ اور آٹھ دن تک برابر گولہ باری ہوتی رہی۔

۵ - جدہ پر قبضہ کرنے کے بعد مصری فوجیں جہازوں سے جدہ میں اتاری گئیں۔ کرنل ولسن ان کا کمانڈر تھا۔ وہ جدہ میں مقیم رہا اور فوجیں مع ہر قسم کے سامان جنگ کے مکہ معظمہ روانہ کی گئیں اور اس کے حکم پر عمل کرتی رہیں۔

۶ - ان مصری فوجوں سے جبل ابو قبیس پر جہاں معجزہ شق القمر ہوا ہے توپیں نصب کرائی گئیں اور قلعہ جیاد پر کئی دن گولہ باری کرائی گئی۔ یہاں تک کہ قلعہ کی ایک جانب ٹوٹ گئی اور وہاں کے افسر وغیرہ شہید اور اسیر کرائے گئے۔

۷ - اس کے بعد مکہ معظمہ میں مقبرۂ شہداء میں جہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ کرام اور بزرگوں کی قبریں ہیں توپیں نصب کرائی گئیں۔ اور قشلہ پر جس میں ترکی فوج اور افسر اور عورتیں اور بچے تھے زور شور سے گولہ باری کی گئی۔

۸ - مکہ معظمہ جدہ اور طائف کے جملہ ترکوں ان کی عورتوں اور بچوں وغیرہ کو خلاف وعدہ و خلاف حکم قرآنی اسیر کیا گیا اور اخیر جنگ تک وہ سب مصر اور مالٹا وغیرہ میں مقید رہے۔

۹ - مکہ معظمہ کے جملہ مقامات خالی کرالینے کے بعد طائف پر یہ مصری فوجیں بھیجی گئیں۔ جنہوں نے نصف رمضان ۳۴ھ سے طائف پر گولہ باری ہر طرف سے شروع کی۔ اور ۲۵ یا ۲۶ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ تک برابر گولہ باری کرتی رہیں (طائف مقاماتِ مقدسہ میں ہے۔ علاوہ اس کے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رعایا کا محل بھی ہوا ہے۔ اس میں حضرت عبداللہ بن عباس اور

دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مدفن بھی ہے جن کی زیارت کی غرض سے لوگ وہاں سفر کر کے جاتے ہیں۔

۱۰ - سوڈانی، مصری، برطانوی فوجیں، رابغ ینبع البحر میں اتاری گئیں اور مدینہ پر ہجوم رہا۔

۱۱ - دو برس سے زیادہ مدینہ منوّرہ محصور کیا گیا راستے بالکل بند کر دیئے گئے۔ ریل کی پٹڑی ڈائنامنٹ کے گولوں کے ذریعہ سے اڑا دی گئی۔ غلّہ بند کرنے کی وجہ سے اس قدر شدت لوگوں پر ہوئی کہ ہزاروں آدمی بھوک سے مر گئے۔ قبروں سے مُردوں کو نکال کر لوگوں نے ان کا گوشت کھایا اور طرح طرح کے ناگفتہ بہ آلام اٹھانے پڑے۔

۱۲ - کربلا نجف اشرف کاظمین بغداد میں جو کچھ ہوا ہے اور ہو رہا ہے اس کو ہر فرد بشر جانتا ہے اگر یقین نہ ہو وہاں سے واپس ہونے والے لوگوں سے پوچھو۔

۱۳ - مدینہ منورہ کے اطراف و جوانب پر اور خود مدینہ منورہ پر ہوائی جہاز جس میں انگریز ہوتے تھے اڑتے رہتے اور موقع پر دیکھ کر گولے برساتے رہتے۔

علاوہ اس کے اور بھی بہت سے وقائع جانکاہ ہیں مگر یہ وُہ مختصر احوال ہیں جن کو میں نے یا بچشم خود دیکھا ہے یا متواتر طور پر ان لوگوں سے سنا ہے جنہوں نے خود دیکھا ہے (رسالہ ترک موالات از ص ۲۳ تا ص ۲۷)۔

اُسے کب غموں سے رہائی ملی
جو وابستۂ ماسوی اللہ ہے
ہر اک کی خوشامد ہر اک کی ثنا
اسیرِ بلا طالبِ جاہ ہے

مولانا سید سلیمان ندویؒ

احسان دانش

اھلاً و سھلاً و مرحبا

خیر سے حج کر کے آئے مولوی حامد میاں

لائے ہیں قلب و نظر میں مژدۂ باغِ جناں

یہ سعادت صرف نیت کا ثمر ہے بالیقیں

دیکھ آئے ہیں ضریحِ رحمۃ اللعالمیں

اب دعا یہ ہے کہ بر آئے جو دل کی ہے مراد

مرحبا اے صاحبِ عزم و فضیلت زندہ باد

ان کے سائے میں سدا پھولے پھلے دار العلوم

اس کا ہر ذرہ ہو اک آئینۂ ماہ نجوم

علم اور اس پر یہ توفیق عمل کا حوصلہ

مرحبا صد مرحبا صد مرحبا صد مرحبا

مسئلہ جبر و قدر

محترم نور محمد غفاری - رام پورہ ضلع بہاول نگر

ابتدائے آفرینش سے جن مسائل نے انسانی عقل کو ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ ان میں سے ایک مسئلہ جبر و قدر کا ہے، اس مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ انسان اپنے ارادہ اور فعل میں آزاد اور خود مختار ہے۔ یا مجبور و مقہور ہے۔

اگر انسان کو مختارِ کُل تسلیم کر لیا جائے تو یہ بات قدرتِ خداوندی، حاکمیت الٰہیہ اور ایمان بالقدر خیرہ و شرہ کے منافی ہوگی، اور اگر اُسے مجبور محض مان لیا جائے تو انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت اور جزا و سزا کا عقیدہ باطل قرار پائے گا۔ اور مشرکین اور کفار اپنے باطل عقاید کی تائید میں تقدیرِ ازلی کو بطورِ حجت پیش کر کے اپنی معذوری ثابت کریں گے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں اس کا اشارہ ملتا ہے۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ (الانعام : ۱۴۸)

عنقریب کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اور ہمارے اباؤ اجداد شرک نہ کرتے اور نہ ہی کسی (حلال) شے کو حرام ٹھہراتے۔

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ

اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے شرک کیا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اللہ کے سوا کسی

نَحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ (النحل: ۳۵)

شے کی عبادت نہ کرتے اور نہ (خدا کی محرمات کے علاوہ) کسی شے کو (اپنی طرف سے) حرام کرتے۔

جبر و قدر کا مسئلہ ہمیشہ سے اہلِ مذہب اور فلاسفہ کے درمیان معرکۃ الآراء رہا ہے اور مختلف زمانوں میں مختلف اقوام (افراد) نے اس بارے میں مختلف نظریات قائم کئے ہیں۔ مگر اس مسئلہ کا جو حل قرآن مجید نے کیا ہے وہ بے نظیر ہے۔

قرآن مجید نے اس مسئلہ کے متعلق اس قدر اہتمام کیا کہ شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہو جس میں اس کے مختلف پہلوؤں میں سے کسی نہ کسی پر روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ اور غالباً قرآن حکیم میں بھی یہی ایک مسئلہ ہے جسے مشکل ترین تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ واقعات عالم کی شہادت اور قوانینِ قدرت کے مطالعہ سے جس قدر اس مسئلہ کی صحت معلوم ہوتی ہے شاید ہی کسی اور مسئلہ کی ہو۔

مسلمانوں میں سے جو انسان کے لئے اصلاً کسی اختیار کے قائل نہیں وہ "جبریہ" کہلاتے ہیں۔ ان کے برعکس جو لوگ انسان کو اپنے افعال کا خالق اور مختارِ کُل تصور کرتے ہیں، وہ "قدریہ" کہلائے۔

جبریہ فرقے (اس کے اوّلین بانی صحیح معنوں میں یہودی ہیں۔ انہوں نے یہ مذہب مسلمانوں کو سکھایا، جن سے اس کی نشر و اشاعت ہوئی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے اس نظریہ کا مُوجد جعد بن درہم تھا جو مسلمان تھا اس نے یہ عقیدہ شام کے یہودی سے اخذ کیا اور اہل بصرہ میں اسے پھیلایا۔

(المذاہب الاسلامیہ از ابو زہرہ مصری صفحہ نمبر ۱۴۵)

اس گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اپنی حرکات و سکنات میں مجبور ہے اور کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے میں اختیار نہیں رکھتا۔ اس کی مثال بعینہٖ پتھر اور لکڑی کی سی ہے۔

اہلِ قدر کا مسلک یہ ہے کہ انسان سب کام اپنے ارادہ و اختیار سے کرتا ہے اور خدا کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ جب امور و حوادث وقوع میں آتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کو اسی وقت ان کا علم ہوتا ہے منقول ہے کہ جب معبد بن خالد الجہنی نے ــــــــ جو قدریہ کا رئیس تھا ــــــــ نے سنا کہ بعض لوگ تقدیر

کو خدا کی نافرمانی کا بہانہ بنا رہے ہیں تو اس نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا۔

"تقدیر وغیرہ کچھ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو حوادث کا علم اُسی وقت ہوتا ہے، جب وہ وقوع میں آتے ہیں"۔

اس سے معبد کا اصلی مقصد ازلی علم و ارادہ کی نفی کرنا اور یہ ثابت کرنا تھا کہ انسانی افعال خلّاقِ عالم کی قدرت کے دائرہ سے باہر ہیں۔ (المذاہب الاسلامیہ صفحہ ۱۵۴)

تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ جبر و قدر کے ہر دو مذاہب باطل ہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک کو صحیح مان کر اس پر عمل کیا جائے تو انسانی اعتقادات کے تمام بندھن ڈھیلے پڑ جائیں گے۔ انسانی ذہن تشتت و پراگندگی کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔ محنت، کوشش اور عملِ صالح کی جگہ بے عملی، بطالت اور تقدیر پرستی لے لے گی۔ نتیجۃً دین اور دنیا دونوں کے امور میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔

قرآن حکیم نے اس مسئلہ کا جو حل پیش کیا ہے۔ وہ افراط و تفریط سے پاک ہے۔ یعنی نہ جبر محض ہے اور نہ قدر بلکہ انسان مشیت ایزدی کے تابع ہو کر اپنی مرضی اور آزادی کا استعمال کرتا ہے اور اس کے لئے وہ جواب دہ بھی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان سے جو فعل صادر ہوتا ہے وہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا۔

ا:۔ یا تو ذات باری کی مشیت و قدرت سے تعلق رکھتا ہے۔ جس سے کمالِ صفاتِ باری تعالیٰ کا یقین حاصل ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا:۔

وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ؕ (التکویر: ۲۹) — اور تم نہیں کسی چیز کا ارادہ کر سکتے، مگر وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔

اور ہر ذرۂ کائنات میں مشیت ایزدی مؤثر دکھائی دیتی ہے۔ اور اسی مقام پر یہ راز کھلتا ہے کہ کوئی امر اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ارادے اور دائرہ علم و حکمت و قدرت سے خارج نہیں ہو سکتا۔ اس اعتقاد سے انسان کو اپنے عجز و ضعف کا علم ہوتا ہے اور وہ خداوند قدوس سے توفیق کی استدعا کرتا ہے۔

ب:۔ جہت ثانی کے اعتبار سے فعل کو ارادہ انسانی سے تعلق دیا جاتا ہے جس سے انسان کو اس کی حالتِ اختیاری کا پتہ چلتا ہے جس کی رو سے وہ جواب دہ قرار پاتا ہے۔ یعنی کسب فعل میں خیر یا شر کو ترجیح

دینے میں مختار من اللہ ہے۔ اِس موقع پر آیت قرآنی

لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّسۡتَقِيۡمَ۔ تم میں سے اس شخص کے لئے نصیحت ہے

(التکویر: ۲۸) جو سیدھی راہ اختیار کرنا چاہے۔

کی حقیقت منکشف ہوتی ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے وہ اپنے آپکو مالک کی بارگاہ میں مجرم قرار دیتا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں جہتوں کے ربط سے جو صحیح عقیدہ مسئلہ جبر و قدر کے بارے میں حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خالقِ افعال ذات باری ہے اور اکتساب فعل انسان سے صادر ہوتا ہے۔ یہی وہ درست عقیدہ ہے جس سے توحید، شریعت اور عدل و حکمت وغیرہ کا ابطال لازم نہیں آتا۔ قرآن مجید کی آیات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح "آیاتِ جبر" کو "آیاتِ قدر" کے ساتھ ربط دیا گیا ہے اور ہر دو کے باہم ملانے سے مذکورہ بالا صحیح عقیدہ کیونکر حاصل ہوتا ہے۔ وگرنہ اہلِ جبر نے "آیاتِ جبر" کو اپنے دعویٰ میں پیش کر کے "آیاتِ قدر" میں تاویل کر دی اور اہلِ قدر نے "آیات قدر" کو اثباتِ دعویٰ میں پیش کر کے "آیاتِ جبر" میں تاویل کر دی اور بزعم خویش ہر دو مدعی بن بیٹھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اختیار اور عدم اختیار کے ضمن میں ربوبیت و عبودیت کے اِس ضروری ربط کے بغیر نہ تو قادر مطلق کی توحید کا مسئلہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ انسان کی عظمت اور اس کی خلافت کا مفہوم ہماری سمجھ میں آسکتا ہے۔ اِس اعتدال کی حقانیت قرآن حکیم کی آیت

اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ اے اللہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے

(سورۃ الفاتحہ: ۴) مدد مانگتے ہیں۔

سے ثابت ہوتی ہے۔ جس میں نہایت وضاحت کے ساتھ ہر دو مذاہب باطلہ یعنی جبر و قدر کا رد ہو رہا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ "اِيَّاكَ نَعۡبُدُ" میں انسان نسبتِ فعل اپنی طرف کرتا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہستی کو چند فرائض کی بجا آوری کے معرض میں لاتا ہے۔ گویا اس نسبت سے وہ اپنے آپ کو جواب دہ قرار دیتا ہے یعنی وہ مکلف ہونے کی قابلیت رکھتا ہے اور یہی ایک امر اس کو دیگر جانداروں اور جمادی اشیاء سے امتیاز بخشتا ہے۔ پس "اِيَّاكَ نَعۡبُدُ" میں خالص جبر کا رد نہایت شدت کے ساتھ ثابت ہے۔

"اِیَّاکَ نَستَعِین" کی حقیقت میں "فرقہ قدریہ" کا ابطال ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ استطاعت کی حقیقت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اسبابِ ضروریہ خارجیہ کا مہیّا ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور اسی کا نام "توفیق" ہے۔ چونکہ انسان اپنے فرائض کا انصرام توفیقِ الٰہی پر موقوف رکھتا ہے۔ للہذا انسان کی خود مختاری کا مسئلہ باطل ہو جاتا ہے۔

پس ہر دو جملہ کے ملانے سے جو صریح مضمون ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ "انسان نہ تو مجبورِ محض ہے اور نہ ہی علی الاطلاق مختارِ کل" قرآن حکیم میں اس قسم کے سینکڑوں نظائر موجود ہیں۔ جن سے مذکورہ بالا خیال کی تائید ہوتی ہے۔

چند بنیادی حقائق

ہمارے قرآن کی روشنی میں قائم کردہ نظریہ کی مزید وضاحت کے لئے چند بنیادی حقائق ذہن میں رکھئے۔

۱۔ ارادہ الٰہی

سب کچھ مشیت ایزدی سے ہوتا ہے۔ بعثتِ انبیاء علیہم السلام، کتبِ منزلہ، فطرتِ انسانی، عقولِ سلیمہ اور انسانی ذاتی تجربہ و مشاہدہ اس امر پر دال ہے کہ عالمِ کائنات میں کسی امر کے وجود اور عدمِ وجود کی حقیقی علّت ارادہ الٰہی ہے۔ تمام اہلِ حق اِس عظیم اصول کو تسلیم کرتے ہیں اور کسی کو اس سے مجالِ انکار نہیں اور جب تک ارادہ الٰہی کو ہر شے کی علّت نہ مانا جائے کسی کو حقیقی توحید کا رشتہ نہیں مِل سکتا۔

وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ (التکویر: ۲۹)

اور تم کچھ نہیں ارادہ کر سکتے۔ مگر وہی (ہوتا ہے) جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

اس نکتہ کی طرف آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی اشارہ کرتا ہے۔

لَا تَقُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰہُ وَمَاشَاءَ مُحَمَّدٌ وَلٰکِنْ تَقُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰہ وَحْدَہٗ

یوں نہ کہو جو اللہ تعالےٰ شانہٗ اور محمد صلّے اللہ علیہ وسلّم نے چاہا۔ بلکہ کہو (وہی ہوتا ہے) جو اللہ وحدہٗ لاشریک چاہتا ہے۔

نیکی اور بدی کے خالق اللہ ہیں

خداوند قدوس نے نیکی اور بدی دونوں کو تخلیق کیا ہے۔

اور دونوں کے راستے اور انجام الگ الگ متعین کر دیئے ہیں اور انسان کو عقل اور وحی کے ذریعے دونوں سے آگاہ کر دیا۔ اب برائی کرنے والا بُرے نتائج حاصل کرتا ہے اور عملِ صالح کرنے والا نیک جزا پاتا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ (الشمس : ۷،۸)

اور قسم ہے جان کی اور جس نے اسے تندرست کیا پس ڈالی اُس کے جی میں اس کی بدکاری اور پرہیزگاری۔

۳۔ کامل عدل فی الآخرۃ

حکمت کاملہ اسی طرح کے انتظام میں ہے۔ اگر دنیا میں صرف بدی ہوتی تو نیک مخلوق انعام وصلہ کی مستحق نہ ہوتی، اس طرح اگر نیکی اور بدی دونوں ہوتیں اور بدی کا نتیجہ بُرا نہ ہوتا۔ تو پھر کوئی تفاوت نہ ہوتا اور یہ کامل عدل کے بالکل خلاف ہوتا کہ نیک و بد دونوں کو ایک ہی مقام (دوزخ یا جنّت) میں ٹھہرایا جائے۔

۴۔ خیر وشر در فطرت انسانی

اللہ تعالےٰ نے ہر فرد میں خیر وشر کی قابلیت ودیعت کر دی ہے اور ان دونوں کی توفیق من جانب اللہ ہے اور طبعی قوانین ہر دو کے کرنے میں اس کے لئے سازگاری پیدا کریں گے۔ خداوند قدوس کسی کو ہاتھ سے پکڑ کر نیکی یا بدی کی طرف نہیں جھکاتے۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کی طرف مختلف مقامات پر مختلف انداز میں وانشگاف کیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ (الرعد : ۱۱)

بے شک اللہ تعالےٰ کسی قوم کی حالت تبدیل نہیں کرتے جب تک وہ خود اِس حالت کو تبدیل نہ کریں جس میں وہ ہیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا۔

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ۔ (سورہ الصف :)

جب ان میں کجی آئی تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے ان کے قلوب کو ٹیڑھا کر دیا۔

خدا تعالیٰ نے نیکی کا حکم دیا اور بدی سے منع فرمایا اور اسی کے لئے رسول مبعوث فرمائے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ؕ (النحل: ۳۶)	اور تحقیق ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا تاکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور ہر معبود باطل سے اجتناب کریں۔
وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر: ۲۳)	اور کوئی بھی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی خبر دار کرنے والا (رسول) نہ آیا ہو۔

۵۔ قوت فیصلہ

خدا تعالیٰ نے انسان کو قوتِ فیصلہ عطا کی ہے۔ انسان کے علاوہ تمام مخلوق کے افعال ان کی فطرت میں داخل ہیں۔ لیکن انسانی فطرت میں افعال کی بجائے قوتِ فیصلہ کو داخل کیا گیا جس کو کام میں لا کر وہ جداگانہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ یہی وہ قوتِ فیصلہ خدا کی امانت ہے۔ جو انسان کے علاوہ زمین اور آسمان کی کسی مخلوق کو نہیں دی گئی۔ اور اسی کے سبب وہ افعال کا فاعل گردانا جاتا ہے۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ ؕ (الاحزاب: ۷۲)	ہم نے امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی۔ مگر انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اُسے اٹھالیا۔

اور انسان کو اس کی قوّت فیصلہ پر چھوڑتے ہوئے فرمایا۔

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (الکھف: ۲۹)	پس جس کا دل چاہے، ایمان لائے، اور جو چاہے کفر کی روش اختیار کرے۔

۶۔ منصب خلافت

پھر قرآن حکیم نے یہ بھی فرمایا کہ انسان زمین پر خدا کا خلیفہ ہے۔ منصبِ خلافت بیک وقت دو حقیقتوں کا تصوّر دیتا ہے۔

ا۔ خلیفہ آزاد و خود مختار نہیں ہوتا۔ بلکہ اُسے اپنے آقا کی فرمانبرداری کرنا پڑتی ہے۔ اور اگر وہ خود مختار ہے تو پھر خلیفہ نہیں آقا ہے۔

۲۔ جس کو خلیفہ بنایا جائے اور نظام حکومت چلانے پر مامور کیا جائے۔ پھر اس کو کوئی اختیار نہ دیا جائے تو خلافت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر آقا کو اُسے مجبور محض ہی بنا دینا ہے تو پھر خلیفہ کیوں بنایا خود کاروبار حکومت چلاتا رہتا۔

یہ دونوں باتیں سامنے رکھی جائیں تو جبر و قدر کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔

۷۔ اگر انسان کو مطلق آزاد یا بالکل مجبور قرار دیا جائے تو اطاعت و معصیت کا تصوّر ہی ختم ہو جاتا ہے یہ بات کتنی مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے۔ کہ خداوندِ قدوس ہی ایک کام کے کرنے کا حکم دیں اور خود ہی اس میں آڑے آئیں یا ایک طرف تو حکم دیں اور دوسری طرف انسان کو مطلق العنان چھوڑ دیں۔ خداوندِ قدوس کی ذاتِ اقدس ایسی باتوں سے مبرّا ہے۔

۸۔ پھر یہ کہ خدا تعالےٰ ظالم نہیں کہ ایک کام کے کرنے کا حکم دیں اور پھر خود نہ کرنے دیں۔ اور بندوں کو سزا بھی دیں۔

نتیجتہً ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ ہر چیز اور فعل اس کی قدرت و مشیت اور علم و حکمت سے ہے لیکن ان تمام مجبوریوں کے باوجود انسان کو آزادیٔ ضمیر، قوّتِ فیصلہ اور عقلی قوےٰ عطا فرمائی ہیں۔ اس لئے اس کو پتھر کی طرح مجبور ماننا غلطی ہے۔ اور جو حکم اس کو نیکی کی طرف دیا جاتا ہے، اُسے تکلیف مالا یطاق کہنا بھی غلط ہے۔ اور دوسری طرف انسان کو ہر امر میں مطلق العنان اور کامل آزاد قرار دینا بھی ان قوانینِ قدرت سے چشم پوشی کرنا ہے۔ جو چاروں طرف سے اُسے محیط ہیں۔ غرضیکہ جبر و قدر کے مسئلہ میں بین بین حالت ہی وہ صداقت ہے۔ جو واقعاتِ عالم کی شہادت اور فطری مذہب کی تعلیم سے قابلِ یقین ثابت ہوتی ہے۔ چند آیات نتیجہ کی وضاحت کے لئے لکھی جاتی ہیں۔

ا۔ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُر ۔۔۔ پھر جو چاہے ایمان لائے۔ اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔

(الکہف: ۲۹)

۲۔ وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (الزمر : ۷)
اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا۔

۳۔ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۔
اور جس نے عمل صالح کیا، تو اس کا فائدہ اس کے اپنے لئے ہے اور جس نے بُرا کام کیا اس کا بُرا انجام اس پر آئے گا، اور تیرا پروردگار بندوں کے بارے میں ظالم نہیں!

۴۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت : ۶۹)
اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوششیں کیں ہم انہیں اپنے رستوں کی ہدایت دیتے ہیں۔

حضراتِ قارئین کرام سے

قارئین محترم! سلام مسنون - انوار مدینہ ایک دینی مدرسہ کا دینی، علمی اور تحقیقی مجلہ ہے اس کے اجراء کی غرض علوم اسلامیہ کی اشاعت کے سوا کوئی نہیں ہے ہم نے اس کی قیمت (اپنے خیال کے مطابق) تمام ماہانہ پرچوں سے کم رکھی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کے علمی وتحقیقی مضامین سے متمتع اور مستفید ہو سکیں۔ انشاء اللہ آپ اس کے ہر شمارہ میں دلچسپ معیاری اور بصیرت افروز مضامین دیکھیں گے اور ہر آنے والے پرچے کو پہلے پرچہ سے صوری و معنوی ہر دو لحاظ سے بہتر اور شاندار پائیں گے۔ اس کی توسیع اشاعت میں ادارہ سے تعاون کرنا یقیناً موجبِ اجر و ثواب ہوگا۔ بنا بریں ہم آپ سے توقع رکھتے ہیں کہ آپ اس کارِ خیر میں ہماری امداد فرمائیں۔ اور انوارِ مدینہ کو گھر گھر پہنچا کر ثواب حاصل کریں گے۔

(ادارہ)

مولانا شاہ زید ابو الحسن فاروقی خانقاہ حضرت شاہ ابو الخیر دہلویؒ

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس اللہ سرہ العزیز

حضرت کے والد بزرگوار قاضی عبد السلام، سمرقند کے رہنے والے پاک باطن اور صاحب علم و فضل تھے آہ و بکا و تضرع الی اللہ میں اکثر اوقات رہا کرتے تھے۔ سمرقند سے کابل تشریف لائے۔ اور وہاں آپ کی والدۂ ماجدہ سے نکاح کیا۔ ۹۷۱ھ یا ۹۷۲ھ میں حضرت کی ولادت باسعادت ہوئی۔ خورد سالی سے آپ پر آثار صلاح و بزرگی ظاہر تھے۔ اور آپ کا میلان تجرید و تفرید و تبتل کی طرف تھا۔ اسی زمانہ میں احیاناً ایسا بھی ہوا کرتا تھا۔ کہ آپ کسی گوشہ تنہائی میں سارا دن خاموشی میں گزار دیا کرتے تھے۔ جب آپ سن رشد کو پہنچے آپ نے علماء اعلام سے علمِ ظاہر حاصل کیا۔ آپ نے مولانا صادق حلوائی کی شاگردی اختیار کی اور ان کی رفاقت میں کابل سے ماوراء النہر تشریف لے گئے۔ اور تھوڑے عرصہ میں امتیازی شان پیدا کر لی۔ ابھی کچھ کتابیں پڑھنی باقی تھیں کہ جذباتِ الٰہیہ کا غلبہ ہوا اور آپ نے راہِ سلوک اختیار فرمائی۔ ایک دن آپ کو ایک فاضل نے دیکھ کر کہا، اگر کچھ دن اور آپ علم حاصل کر لیتے تو بہتر ہوتا۔ تاکہ آپ کی مولویت پایۂ کمال اور اکمال کو پہنچ جاتی۔ آپ نے عرض کیا کہ مولویت سے مراد مشکل متداول کتابوں کا حل کرنا ہے۔ میں بغیر کسی ادعا کے کہتا ہوں کہ جس کتاب کا حل کرنا فضلاء کے نزدیک مشکل ہو میرے سامنے پیش کریں۔ انشاء اللہ تسلی بخش طور پر حل کر دونگا۔

صاحبِ زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ مجھ سے مولانا صادق حلوائی کے شاگردوں میں سے ایک

صادق القول فاضل نے کہا کہ جب ہم رفیقوں کو پتہ چلا کہ آپ نے علم ظاہر کی تحصیل سے علم باطن حاصل کرنے کی طرف عنانِ توجہ موڑ دی ہے تو ہم نے آپس میں کہا کہ آپ فطرۃً ایک باہمت جوان ہیں۔ جس کام کی طرف آپ متوجہ ہوں گے یقیناً اس کو انجام تک پہنچائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

علمِ باطن اور خدا طلبی کا جذبہ عہدِ طفلی سے آپ کے پاک سینہ میں ودیعت ہوا تھا۔ آپ کو جہاں بھی کوئی پاک نفس خدا رسیدہ ملتا تھا آپ اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی صحبت اور انفاس قدسیہ سے مستفید ہوا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں بلخ و بدخشاں گئے۔ اور پھر ہندوستان تشریف لائے۔ اور کشمیر بھی تشریف لے گئے۔ اگر کوئی مجذوب الی اللہ ملتا تو اس کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے تھے۔ لاہور کے قرب و جوار میں ایک مجذوب رہا کرتا تھا۔ آپ پر ظاہر ہوا کہ وُہ خدا رسیدہ ہے۔ آپ اس کے پاس جایا کرتے تھے۔ کبھی وہ آپ کو دیکھ کر دوسری طرف کو مڑ جاتا تھا اور کبھی آپ کو سب وشتم دیا کرتا تھا۔ اور کبھی پتھروں سے مارتا تھا۔ لیکن آپ نے اس سے منہ نہ موڑا اور برابر اس کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ ایک دن وُہ دیوانہ، فرزانہ آپ پر مہربان ہُوا۔ اپنے پاس بلا کر آپ پر نظر رحمت فرمائی۔ اور آپ کے حق میں دُعائیں کیں۔

رُشدی نے لکھا ہے کہ آپ نے ایک مخلص سے فرمایا، اگرچہ ارباب سلوک کی طرح ریاضتِ شاقہ اور مجاہدات مَیں نے نہیں کیے ہیں البتہ انتظار اور قلق کی گھڑیاں بہت جھیلی ہیں۔ زبدۃ المقامات میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا میری والدہ ماجدہ بہت عجز و نیاز سے بارگاہ بے نیاز میں عرض کیا کرتی تھیں۔ اے پروردگار میرا فرزند تیری طلب میں سب سے الگ ہو چکا ہے اس نے جوانی کی لذتوں سے منہ موڑ لیا ہے۔ تو اس کی مراد پوری کر دے۔ یا پھر مجھ کو زندہ نہ رکھ۔ کیونکہ اس کے قلق اور رنج دیکھنے کی طاقت مجھ میں نہیں رہی۔

آپ فرماتے ہیں کہ ان کی دعائے نیم شبی کی وجہ سے مجھ پر ابواب کشائش کھلے ہیں۔

آپ جب ہندوستان تشریف لائے اور آپ کے دوستوں کو آپ کی آمد کا علم ہُوا تو انہوں نے کوشش کی کہ آپ کو شاہِ ہند کے عہدہ داروں کے زمرہ میں شامل کرا دیا جائے۔ لیکن سلطانِ جذبات

الٰہیہ کے سامنے سب کی مساعی رائیگاں گئیں۔ آپ کو مملکتِ دین اور متاعِ یقین کی سلطانی ملنی تھی۔ مزخرفاتِ دُنیویہ سے آپ کو کیا لگاؤ ہوتا۔

آپ نے اپنا ابتدائی حال اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ "پہلی مرتبہ توبہ اور بیعت حضرت خواجہ عُبید کے ہاتھ پر کی۔ آپ مولانا لطف اللہ کے خلیفہ تھے۔ اور وُہ مولانا خواجگی دہبیدی کے۔ چونکہ باطن میں رجوع کرنے کا خیال اور چھوڑنے کا عزم تھا۔ اس لیے استقامت نہ ملی۔ اور دوسری مرتبہ مولانا افتخار شیخ سے بیعت کی، جو سمرقند میں قیام پذیر تھے۔ اور خانوادۂ خواجہ احمد یسوی میں سے تھے۔ اگرچہ آنجناب کی مرضی نہ تھی۔ اور آپ نے فرمایا تھا کہ ابھی تم جوان ہو۔ لیکن میرے (حضرت خواجہ باقی کے) مصمم عزم کو دیکھ کر آپ نے فاتحہ پڑھی۔ اور فرمایا خدا تم کو استقامت دے۔ لیکن وہی ہوا جو کہ ان بزرگوار نے فراستہً فرمایا تھا۔ چنانچہ عجیب خرابیاں پیدا ہُوئیں۔ اور میرا عزم درہم برہم ہوا۔ اور مَیں بغیر کسی قصد اور ارادے کے حضرت امیر عبد اللہ بلخی مدظلہٗ کی خدمت میں پہنچا۔ اور تجدید بیعت کا ظہور ہوا۔ مصافحہ کے ساتھ ہی نعمت غیر مترقبہ حاصل ہُوئی۔ امید ہے کہ اس عطیہ کے برکات یوم القیامتہ تک باقی رہیں گے القصہ کچھ وقت تک حدود کی نگاہ داشت اور محافظت رکھی۔ لیکن اسم المضل نے محافظت کے سَد اور بند کو توڑ دیا۔

انجام کار ہدایتِ صمدیت سے خواب میں خواجۂ بزرگ حضرت بہاو الحق والدین سے بیعت نصیب ہُوئی۔ اور راہِ اللہ کے طریق کا میلان ظاہر ہوُا۔ اور بمصداق الغریق یتعلق بکل حشیش یعنی ڈوبنے والا ہر تنکے کا سہارا لیتا ہے، میں ہر طرف ہاتھ مارتا تھا۔ اسی دوران میں بعض اکابر نے فرمایا کہ وُہ ذکر مفید ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتصال پہنچے۔ جو طلب اور لگن لگی ہوئی تھی اس نے مجبور کیا کہ انہی حضرت سے ذکر اور مراقبہ کا طریقہ حاصل کیا۔ دو سال تک ان حضرت کے بتائے ہُوئے ذکر و مراقبہ و اوراد و سلسلہ پر قائم رہا۔ اور ان کی مداومت کرتا رہا۔ کیونکہ ہم نے سُن رکھا تھا کہ جب تک سالک بہ اندازۂ چہل سال لا الٰہ کا میدان قطع نہ کرے، الا اللہ کی منزل تک رسائی نہیں ہوتی۔ اور ہماری سادہ لوحی نے ہم کو اس پر قانع رکھا۔ کہ ذکر میں زمانے کے گذرنے کو غنیمت سمجھتا رہوں

اور انہی طور طریقوں پر عبادت کے قناعت کروں۔

اگرچہ اس دوران میں دوسرے طریقوں سے استفادہ کرنے کے متعلق اشاراتِ غیبیہ بھی ہوئیں لیکن میرا قدم (دوسرے سلسلوں سے استفادہ کرنے کے لیے) پوری طرح اپنی جگہ سے نہیں اٹھتا تھا۔ اور اِن بزرگواران (خواجگان سلسلہ نقشبندیہ) کی زمین کرم میں "وفیھا ماتشتھیہ الانفس" کا بیج بوتا رہا۔ اور یہ خیال کرتا رہا۔ کہ انشاء اللہ آخر کار دستِ کرم اس بیج کو "مالاعین رأت ولا اذن سمعت" کی نہر سے سیراب کرے گا۔ آخر کار کشمیر پہنچنا ہُوا۔ اور حضرت شیخ بابائے والی کی خدمت میں حاضری ہُوئی۔ اور آپ کی نظر عنایت سے بہرہ مند ہُوا۔ الحمد للہ کہ وہ مبارک نظریں ذریعۂ فتحِ باب قبول ہُوئیں۔ چونکہ حضرت شیخ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے بھی مجاز تھے۔ اور طالب کی (حضرت خواجہ کی) استعداد ان بزرگواران کے آستان کی طرف متوجہ تھی۔ لہذا فیضانِ الہیہ اسی خاندان کے جھروکے سے نازل ہوا۔ اور آپ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ گان کی غیبتِ معہودہ (نسبت شریفہ) ظاہر ہونی شروع ہُوئی۔ اور ان بزرگواروں کی ارواح مبارکہ بشارات اور تلقینات دینے لگیں۔ ان کی توجہات سے اس نسبت میں قوت پیدا ہوئی۔ دائرہ غیبت میں وسعت ہُوئی راستہ روشن ہوا۔ اور فی الجملہ اطمینان حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ ان حضرات کی عنایت کی کشش نے مجھکو مخدومی، حقائق پناہی، ارشاد دستگاہی حضرت مولانا خواجگی امکنگی قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں پہنچایا۔ اور اپنی خواہش اور رغبت سے بیعت اور مصافحہ کرکے حضراتِ خواجہ گان کا طریقہ حاصل کیا۔ اور حضرتِ خواجگی اور ارواحِ طیبہ حضرت خواجۂ نقشبند اور آپ کے خلفاء کی ملازمت کے طفیل سے اس طریقہ کے سالکوں اور اس درگاہ کے نیازمندوں میں سے ہوا۔

اللّٰھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

حضرت بابائے والی کی وفات کے بعد ایک واقعہ میں حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار آپ پر حاضر ہُوئے۔ اور آپ سے فرمایا کہ مولانا خواجگی کی خدمت میں حاضر ہو۔ وہاں فتح باب ہوگا۔

اور اسی دوران میں حضرتِ خواجگی بھی آپ پر ظاہر ہوئے۔ اور فرمایا، اے فرزند! ہم چشم براہ ہیں۔ تم ہمارے پاس کب آرہے ہو۔ چنانچہ آپ ہندوستان سے ماوراء النہر کی طرف امکنگ کو روانہ ہوئے۔ لکھا ہے کہ ابھی آپ ایک منزل کے فاصلہ پر تھے کہ حضرت امکنگی بہ اشارۂ غیبی آپ کے استقبال کو تشریف لائے۔ آپ نے حضرتِ خواجگی کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے اپنے بعض دوستوں کو ہندوستان خط لکھا اس میں آپ نے اپنا یہ شعر تحریر فرمایا ؎

من از محیط محبت نشاں ہمیں دیدم که استخوانِ عزیزاں بساحل افتاد است

آپ حضرت خواجگی کی خدمت میں مجلّٰی، مصفّٰی، مزکّٰی ہو کر پہنچے تھے۔ چراغ صاف تھا، بتّی درست تھی، تیل موجود تھا، صرف دیا سلائی دکھانے کی ضرورت تھی۔

چنانچہ حضرت خواجگی نے دیا سلائی دکھائی۔ اور وہ چراغ روشن ہو گیا۔ حضرت خواجگی نے تین شبانہ روز آپ کو اپنے پاس خلوت میں رکھا۔ اور پھر خلافتِ مطلقہ سے سرفراز فرما کر ہندوستان روانہ ہونے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ آپ نے ہندوستان جانے کا قصد فرمایا۔ ان دنوں میں آپ نے ایک خط میں یہ شعر تحریر فرمایا ہے۔ ؎

من گزشتم زغم آسودہ کہ ناگہ ز کمیں عالم آشوب نگاہے سر راہم بگرفت

آپ ہندوستان پہلی مرتبہ کب تشریف لائے۔ یہاں کتنی مدت قیام رہا۔ اور پھر دوسری مرتبہ کب تشریف لائے۔ اس کا بیان نہیں ملتا۔ اس کو دیکھتے ہوئے کہ جامعِ ملفوظات نے لکھا ہے۔ کہ "و اواخر ہا کہ امر مشیخیت و ارشاد متروک شدہ بود (صد ۸۹ قلمی) اور لکھا ہے " فوائدے کہ دریں دو سہ سال ازاں حضرت بمستفیدان رسیدہ در زمان پیش بسالہا نہ می رسید (صد ۸۵ قلمی)

اور صاحب زبدۃ المقامات نے لکھا ہے " شاہدِ عظیم بر علو مرتبۂ ایشان ہمیں بس کہ دو سہ سال بر مسند مشیخت بودند۔ دریں مدت قلیلہ چہ مردم کہ از خوانِ دولت ایشاں روزی مند گردیدند" (صد ۴۶ قلمی)، اور اس کو دیکھتے ہوئے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی ۱۰۰۸ھ کو آپ سے بیعت ہوئے۔ اور آپ کو محسوس ہوا کہ مجھ سے پروردگار کو جو خدمت لینی تھی۔ وہ اس مردِ عزیز کی تربیت ہے،

چنانچہ آپ دفعہ نمبر ۵ میں تحریر فرماتے ہیں "شیخ احمد نام مردے است در سرہند کثیر العلم قوی العمل روزے چند فقیر با او نشست و برخاست کردہ عجائب بسیار از روزگار و اوقات او مشاہدہ کردہ بہ آں می ماند کہ چراغے شود۔ کہ عالمہا از و روشن گردند"

معلوم ہوتا ہے کہ دوسری مرتبہ سن ایک ہزار تین یا چار کو ہندوستان تشریف لائے۔ اور دہلی میں قلعہ فیروزی میں جو کہ اب فیروز شاہ کے کوٹلہ کے نام سے مشہور ہے قیام فرمایا۔

آپ کو عزلت اور تفرید سے لگاؤ تھا مشیخت اور صحبت کی خواہش قطعاً نہ تھی۔ زبدۃ المقامات میں ہے کہ مریدوں کے احوال کی طرف آپ دو تین سال متوجہ رہے۔ اور جب امام ربانی مجدد الف ثانیؒ آپ سے بیعت ہوئے۔ و از ہمیں انظار و الطاف ایشاں بکمال و اکمال رسیدند۔ آنحضرت خود را از صحبت ارباب ارادت باز کشیدند۔ و یاراں را چہ بتعریف و چہ بتکلیف بالیشاں حوالہ نمودند۔ یعنی جب آپ کے توجہات سے امام ربانی درجہ کمال کو پہنچ گئے۔ آپ نے اپنے اصحاب و یاران کو ان کے حوالے کر دیا۔ جامع ملفوظات رشدی نے لکھا ہے

"از روئے شفقت بتاکید فرمودند کہ چوں فرمان و مرضی در ترک مشیخت است یاراں ما را متصدی تربیت خود ندانند۔ و ہر جا خواہند در طلب مقصود پویند مگر چار نفر کہ دریں تکلیف داخل بنودند۔ یعنی آپ نے اپنے رفقاء سے شفقت فرماتے ہوئے فرمایا کہ اشارات اور الہاماتِ غیبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اب مجھ کو مشیخت کا کام چھوڑ دینا چاہیئے۔ لہٰذا یارانِ طریقت اب مجھ سے کارِ مشیخت کی توقع نہ رکھیں۔ جہاں چاہیں جائیں۔ اور اپنا مقصد حاصل کریں۔

بجز تین چار افراد کے جو اس حکم میں شامل نہ تھے۔ میر محمد نعمان آپ کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ ان کو بھی ہدایت فرمائی کہ شیخ احمد سے اب رجوع کرو۔ اور ان کے ارشاد پر عمل کرو۔

آپ کا بدن کمزور تھا۔ اکثر اوقات آپ مریض رہا کرتے تھے۔ پندرہ جمادی الآخر بدھ کے دن آپ کو بخار ہوا۔ یہ آپ کا آخری مرض تھا۔ اس مرض میں آپ نے حضرت خواجہ احرار کو خواب میں دیکھا۔ "عنایات بسیار فرمودند و در آخر امر کردند کہ پیراہن بپوشید۔" یعنی آپ نے نوازشیں

فرمائیں اور آخر میں حکم دیا کہ کرتا پہن لو۔ یہ بیان کر کے آپ نے تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ اگر حیات باقی ہے اس پر عمل کرونگا ورنہ کفن بھی کرتا ہے۔

ہفتہ ۲۵ جمادی الآخرہ ۱۰۱۲ھ حیاتِ دنیویہ کا آخری دن تھا۔ آپ بستر علالت پر تھے۔ نقاہت و کمزوری از حد بڑھ چکی تھی۔ رفیق اعلیٰ سے وصال کا وقت قریب آگیا تھا۔ یارانِ طریقت میں سے جو بھی اس وقت حاضر ہوتا تھا، آپ ایک لحظہ بنظر مرحمت اس کو دیکھتے تھے۔ اور پھر بہ اشارۂ چشم یا بہ اغماضِ نظر اسکو رخصت فرماتے تھے۔ آپ کے خلیفۂ اجل خواجہ حسام الدین احمد تشریف لائے۔ آپ محبت بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ آہ و بکا میں نظریں نیچی کیے بیٹھے رہے۔ آپ نے ان کے ہاتھ کی انگلیوں میں اپنی مبارک انگلیاں ڈالیں۔ خاصی دیر یہی کیفیت رہی۔ اور پھر اپنا دست مبارک ان کے سر اور چہرہ پر پھیرا۔ وفات شریف سے دو تین گھڑی پہلے آپ نے ذکر اسم ذات بطریق جہر شروع کیا۔ یہ مبارک نام آپ کے لب پر تھا کہ آپ نے یٰٓاَیَّتُھَا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ کی صدائے شیریں سنی۔ اور بصد شوق جانِ شیریں جانِ آفریں کے سپرد کر کے فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی سے مشرف ہوئے۔

که گفت که آں دولتِ جاوید بمرد — که گفت که آں مایۂ امید بمرد
آں دشمنِ خورشید برآمد بر بام ! — پوشید دو چشم و گفت خورشید بمرد

ابھی دن کا کچھ حصہ باقی تھا جو یہ واقعۂ عظیمہ رونما ہوا۔ مولانا ہاشم کشمی نے سالِ وفات "بحرِ حقیقت بود" سے نکالا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

آپ نے اپنے بعد ورثا میں والدۂ ماجدہ اور دو زوجات اور دو خورد سال فرزند جن کی ولادت سنہ ۱۰۱۰ھ کو ہوئی تھی۔ ایک خواجہ عبید اللہ معروف بہ خواجہ کلاں۔ اور دوسرے خواجہ محمد عبد اللہ معروف بہ خواجہ خورد چھوڑے۔ اور میراث میں از متاعِ دنیویہ ایک گھوڑا۔ ایک فرش، چند کتابیں اور ایک روپیہ (ملفوظات قلمی ص۳۰) اس طرح آپ نے عِشْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ۔ کی اعلیٰ مثال قائم کی۔

رحمۃ اللہ علیہ فی کل حین و آن ۰

(باقی پھر)


خاک گنگوہ را بنوید سرشتید
گنجینۂ فقر را کلید سرشتید
امداد اللہ مہاجر مکی را
اللہ اللہ عجب مرید سرشتید
کتبہ احقر نفیس رقم
۲ صفر المظفر ۱۳۹۱ھ : لاہور

جامعہ مدنیہ لاہور کی امداد فرما کر ماجور ہوں

امسال جامعہ مدنیہ میں ایسے طلبہ ایک سو ساٹھ کے قریب ہیں، جو اطراف و اکناف سے آئے ہیں اور اُن کے مصارف خورد و نوش اور رہائش و تعلیم، تیمارداری اور دیگر ضروریات لباس وغیرہ بذمہ جامعہ ہیں، ان کے علاوہ مقامی بچوں سمیت تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد تقریباً پانچ سو ہے۔ ماہانہ مصارف مطبخ و اساتذہ و عملہ سات ہزار روپے ہیں۔ آپ حضرات سے استدعا ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ امداد فرما کر ماجور ہوں۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

انجمن خدام الدین نوشہرہ

شمس العلماء زبدۃ العرفاء حضرت العلامہ شمس الحق صاحب افغانی مدظلہ کا ارشادِ گرامی

"آج مورخہ ۱۸ اگست ۱۹۶۷ء کو میں نے انجمن خدام الدین کے شعبہ ہائے خدمت کا معائنہ کیا ہے اور اس کے ناظمِ اعلیٰ مولانا احمد عبدالرحمٰن صاحب صدیقی سے زبانی کوائف بھی معلوم ہوئے اور اِن رسائل کو بھی دیکھا، جو انجمن مذکور نے احیاء دین کے سلسلے میں شائع کئے ہیں۔ ان سب امور پر نظر رکھتے ہوئے اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ انجمن کے ناظم اعلیٰ اراکین و معاونین میں خدمتِ دین کا ایک خاص تڑپ اور ولولہ موجود ہے۔ اور بحیثیت مجموعی اِن میں رضائے الٰہی اور خدمتِ دین کا صحیح جذبہ کار فرما ہے۔ ان کے کام کا پروگرام وسیع ہے۔ طلباء، کالج وغیرہ کو درسِ قرآن بھی دیتے ہیں۔ اور حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث کی ہدایات کے مطابق صحیح راہِ عمل پر گامزن ہیں۔ وسعتِ دائرہ کار کے پیشِ نظر انجمن مالی اعانت کی محتاج ہے۔ مجھے امید ہے کہ اِس شمعِ ہدایت کو زندہ رکھنے کی طرف اہلِ خیر خصوصی توجہ مبذول کر کے اپنے سرمایہ کو ابدی شکل میں تبدیل کر دیں گے۔

میں دُعا کرتا ہوں کہ یہ انجمن روز افزوں ترقی کرے (آمین)

(شمس الحق افغانی)

مولانا عبدالواحد آباد



جہاں بارشِ نور ہوتی ہے پیہم

مدینہ کے شام و سحر دیکھ آئے

بہارِ مسرت اثر دیکھ آئے
مبارک ہو اللہ کا گھر دیکھ آئے

جہاں بارشِ نور ہوتی ہے پیہم
وہی لطف شام و سحر دیکھ آئے

جو ہے جلوۂ دینِ برحق کا حامل
وہی سرزمیں سر بسر دیکھ آئے

فرشتے ہیں جاروب کش جس جگہ پر
مبارک وہ پاکیزہ گھر دیکھ آئے

نگاہیں ترستی ہیں جس میکدہ کو
وہ میخانۂ مقتدر دیکھ آئے

تقاضائے دل کا ہیں آنکھوں کو چوموں
گذرگاہِ خیر البشر دیکھ آئے

بلندی پہ ہے بخت حامد میاں کا
کہ وہ بابِ رحمت اثر دیکھ آئے

مبارک ہو سب اہلِ خانہ کو یارب
مدینہ کے شام و سحر دیکھ آئے

بر آئیں تمنائیں کل جامعہ کی
نظر پھر وہی سنگِ در دیکھ آئے

جامعہ مدنیہ لاہور

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر "بُرہان" کی نظر میں

آج جامعہ مدنیہ لاہور میں حاضر ہو کر اور جامعہ کے اساتذہ کرام و طلبہ سے مل کر اور ان کے کاموں کا معائنہ کر کے بڑی ہی مسرت اور خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اجرِ جزیل عطاء فرمائے۔

مولانا الفاضل حامد میاں صاحب اور ان کے رفقاء کو کہ درحقیقت اس مدرسہ کے ذریعے دین کی بہت ہی اہم خدمت انجام دے رہے ہیں۔

اِس مدرسہ میں درس و تدریس علوم و فنون اسلامیہ کے اعلیٰ انتظامات کے ساتھ طلبہ کی عملی اور اخلاقی تربیت کا بہترین انتظام ہے۔ اساتذہ اور کارکن سب مخلص اور بے لوث ہیں اور طلبہ محنتی، مستعد اور علم کے تشنہ ہیں۔

فجزاھم اللہ عنا احسن الجزاء۔

اِس جیسی دینی درسگاہ کی اعانت و امداد بے شبہ عند اللہ موجب اجر جزیل اور مقبول و ماجور ہے۔

سعید احمد اکبر آبادی۔ ۱۲ر جولائی ۱۹۶۹ء

اگلے شمارہ میں

حضرت مولانا عبدالمنان دہلوی دامت برکاتہ، کی ایک بے نظیر
عربی قصیدہ کی پہلی قسط شائع ہو رہی ہے یہ طویل ترین
قصیدہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی حضرت
اقدس مولانا شاہ عبدالقادر اور دیگر اکابر رحمہم اللہ
کے حالات و مناقب پر مشتمل ہے۔ انشاء اللہ
قارئین اسے بہت پسند فرمائیں گے